جلد ۱۱۱ مئی ۱۹۸۹ء عدد ۳

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارۂ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۱۱ | مئی ۱۹۸۹ء مطابق شوال المکرم ۱۴۰۹ھ | عدد ۳

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵۔اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

رابطہ کے لیے: ادارہ ترجمان القرآن، رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

فون نمبر ——— ۳۲۴۴۶۸

زرِ سالانہ تیس روپے - فی پرچہ ۳/- روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

یادِ رفتگان

پھر اک ساتھی چھوٹ گیا!

روزانہ نمازوں میں میل جول ہوتا، ایک مرتبہ بات چیت ہوتی، بس دو چار دن کچھ ناگہانی مصروفیات میرے سر پڑیں، جسمانی توانائی کم ہو گئی اور میرا دائرہ معمولات ٹوٹ گیا۔ تب یکایک آواز بلند ہوا کہ مولانا عاصم ان فتنوں بھری دنیا میں علمی لڑائی لڑتے لڑتے رخصت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن!

اتنا اچانک، اتنا چپکے چپکے! — ہمیں تو شدتِ مرض کے آخری مختصر سے دور کا پتہ بھی نہ چلا۔ ایک دن وہ وقت کے میدان میں داخل ہوا اور عمر کے لحاظ سے اگلی صفوں کو چیرتا ہوا آگے نکل گیا — افق سے بھی آگے!

سچ ہے کہ کتنے پیچھے والے ہوں گے جو آگے کر دیئے جائیں گے اور کتنے آگے والوں کو پیچھے ہٹا دیا جائے گا۔

غم اتنا ہی نہیں کہ ایک بھائی اور دوست ہم سے جدا ہوا، بلکہ زیادہ بڑا صدمہ یہ ہے کہ ایک بھاری بھرکم عالمِ دین ہماری بستی، ہمارے ملک اور دنیائے انسانیت سے چلا گیا۔ ایسا عالم جو القاب و آداب اور جبہ و دستار سے بے نیاز ایک عام آدمی کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ مگر اس کے قلم نے سفرِ حیات میں ایسے سنگ ہائے میل نصب کیے تھے کہ جن کو دیکھ کر ہم جیسے عامی تو مبہوت رہ جاتے ہیں۔

پیدائش ۴ ستمبر ۱۹۲۸ء کو مالیر کوٹلہ میں ہوئی۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ پھر مولانا عبدالغفار حسن سے عربی کی تعلیم حاصل کی۔ انہی سے حدیث کا خاص ذوق بھی لیا اور جماعتِ اسلامی کا تعارف بھی حاصل کیا۔ بعد ازاں دارالعروبہ میں مولانا مسعود عالم ندوی رحمۃ اللہ کی نگرانی میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے لگے۔ یہاں تک کہ دارالعروبہ کی روح رواں بن گئے اور ندوی صاحب کے انتہائی معتمد۔

۱۹۴۸ء میں مولانا مسعود علیہ الرحمۃ کے ساتھ پاکستان آئے۔ ۱۹۴۹ء میں مولانا کے ساتھ عرب ممالک کے دورہ کے لیے گئے۔ اسی سفر کی روداد "دیارِ عرب میں چند ماہ" ہے۔ عربی گرامر کی ایک کتاب بالترجمۃ العربیہ لکھی۔ پھر جب مولانا مودودیؒ تفہیم القرآن کے لیے تفسیری مسائل کو سمجھنے کے مقصد سے مقاماتِ مقدسہ اور قدیم تاریخی آثار کا مشاہدہ کرنے کے لیے لمبے سفر پہ نکلے تو محمد عاصم الحداد ہم سفر تھے۔ اس سفر کے تیسرے ساتھی چوہدری غلام محمد بنے۔ اس سفر کی داستان عاصم صاحب نے "سفرنامہ ارض القرآن" کے نام سے لکھی۔ مولانا مسعود عالم ندویؒ کو جو خطوط سید سلیمان ندویؒ کی طرف سے آتے رہے، ان کا مجموعہ نقوشِ سلیمانی کے نام سے مرتب کیا۔ اخوان کے مشہور لیڈر محمود الصواف نے ان کی خدمات رابطہ عالمِ اسلامی کے لیے حاصل

کرلیں۔ سنہ ۱۹۶۸ء سے سنہ ۱۹۸۶ء تک وہاں رہے۔

اس دوران میں بے شمار عربی خطوط لکھنے کے علاوہ ندوی صاحب اور دیگر تحریکی مضامین کے عربی تراجم کیے۔ الجہاد فی الاسلام کا ترجمہ کیا۔ فقہ السنۃ کے دو حصے لکھے۔ "اب سنت کیا ہے اور کیا نہیں ہے" کے ساتھ اصولِ فقہ لکھی۔ اور اپنے اونچے ارادوں کی اڑان کے ساتھ ۱۱ر اپریل کو پرواز کر گئے۔ خدا کی رحمت و مغفرت ہو۔

چراغ جو سحر ہو گیا

ابھی ایک صدمے کی چوٹ کھائے ہوئے دلِ لخت لخت کو سمیٹ نہ پائے تھے کہ صرف دس دن کے وقفے سے مولانا محمد چراغ صدر مدرسہ عربیہ گوجرانوالہ نے مورخہ ۲۱ر اپریل کو جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ۔

وہ چراغ تھے اور ہزاروں چراغ روشن کر کے جب گُل ہوئے تو سحر بن گئے۔

پیدائش ۴ر جمادی الاخری ۱۳۱۴ھ (مطابق ۱۸۹۹ء) موضع ڈھکڑ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ موضع کنجاہ ضلع گجرات میں ۳ سال تک صرف نحو اور منطق کی پڑھائی کی۔ پھر مدرسہ مظاہر العلوم میں فقہ اور عربی علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا ولی اللہ (انہی شریف) سے فیض پایا۔ دارالعلوم دیوبند میں مولانا انور شاہ کاشمیری سے اکتسابِ علم کیا۔

فراغت کے بعد میرٹھ، اچھرہ (جامعہ فتحیہ)، علی پور سیداں (مدرسہ پیر جماعت علی شاہ) اور گوجرانوالہ (مدرسہ انوار العلوم) میں معلمانہ خدمات انجام دیں۔ پھر جامعہ عربیہ گوجرانوالہ کی بنیاد رکھی اور ۵۴ سال کی تدریسی خدمات سے ہزارہا طلبہ کو فیض پہنچایا۔ جن میں سے آج متعدد حضرات صاحبِ مقام ہیں۔ قادیانیت اور عیسائیت کے رد میں بہت کام کیا۔ تحریکِ خلافت، جمعیت علمائے ہند، مجلس احرار اور تبلیغی جماعت میں حصہ لیا۔ پھر جب جماعت اسلامی سے تعارف ہوا تو "یک در گیر و محکم گیر" کے بمصداق پورے شرح صدر کے ساتھ مولانا مودودیؒ کی برپا کردہ تحریک احیائے اسلامی میں اپنی خدمات صرف کر دیں۔ ایک بار تحریکِ کشمیر کے سلسلے میں اور بعد ازاں مختلف استبدادی احکام کے تحت جیل کاٹی۔

مولانا محمد چراغ کی خوبی یہ تھی کہ وہ مولانا مودودیؒ سے اختلاف کرتے اور گفتگو یا خطوط کے ذریعے تبادلۂ خیال کرتے اور مولانا بھی ان کا حد سے زیادہ احترام ملحوظ رکھتے اور ان کے علم سے (باقی بر صفحہ آخر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

دُنیا کی سرگرمیوں کا بڑھ جانا، تفکرِ حالات و مسائل کا ہجوم کر دینا، تکاثر و تفاخر کی کشمکش کا شدت اختیار کر جانا اور سیاسی اُتار چڑھاؤ کا ذہنوں کو زیر و زبر کر دینا، بعض اوقات ہمیں اُس مدرسۂ ہدایت سے دُور کر دیتا ہے جس کا نصاب قرآن ہے اور اس کی وضاحت و شرح حدیثِ رسولؐ سے ہوتی ہے۔ حالانکہ اس مدرسۂ ہدایت کی حاضری روزانہ ہونی چاہیے۔ اور دُنیا کے سارے جھاڑ جھنکار سے دل و دماغ کو آزاد کر کے کسی سبق کے ایک ایک نکتے پر غور کرنا چاہیے۔

لادینیت کے چڑھتے ہوئے طوفانوں میں ہماری کشتیٔ نجات آیات و احادیث ہی کے بادبانوں سے چلتی ہے۔

ایک روایت جو متفق علیہ ہے، ابوسفیان صخر بن حرب (رضی اللہ عنہ) کے ایک قول کو ہمارے سامنے لاتی ہے۔ یہ قصۂ ہرقل کے متعلق ایک لمبی روایت میں مذکور ہے — ہرقل ابوسفیان سے پوچھتا ہے کہ وہ شخص (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے کیا کہتا ہے۔

جواب میں ابوسفیانؓ نے کہا ' وہ کہتا ہے کہ: "اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهٗ، لَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا، وَاتْرُكُوا مَا يَقُولُ آبَاؤُكُمْ، وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَةِ"[1] (ریاض الصالحین، روایت نمبر ۵۶)۔

---

[1] اِس لحاظ سے یہ جواب حیرت ناک ہے کہ ابوسفیان نے یہ الفاظ (باقی برصفحہ آئندہ)

عربی عبارت کا ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو واحد جان کر اس کی عبادت کرو، کسی شے کو اس کے ساتھ (خدائی اور معبودیت میں) شریک نہ ٹھہراؤ اور جو کچھ (غلط باتیں) تمہارے باپ دادا کہتے تھے ان کو چھوڑ دو، اور پھر وہ ہم کو تلقین کرتا ہے نماز کی، صدق کی، عفت مآبی کی اور (آپس کے) قرابتی رابطے جوڑنے کی۔

پہلی تلقین یہ ہے کہ خدائے واحد (لاشریک) کی عبادت کرو۔ عبادت کے جامع معنی غلامی کے ہیں۔ سرافگندگی اور عاجزی اور فروتنی کے ساتھ اطاعت احکام کرنے کے ہیں۔ عبادت ایک مستقل رویہ ہے جو نماز روزے سے لے کر زندگی کے ہر گوشے اور معاملے میں کارفرما ہو۔ کچھ لوگ عبادتِ نفس کرتے ہیں، خواہشات کی غلامی کرتے ہیں، کسی بُت یا قبر یا شخص یا استھان یا ادارے یا اہلِ اقتدار کے لیے عبادت کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ خدا کی عبادت کی صورت کا کمال یہ ہے کہ خدا کی نافرمانی کی کوئی بات زندگی میں گھسنے کا راستہ نہ پاسکے۔ بہت سی نمازیں پڑھ لینے اور بہت سی تسبیحوں کا ورد کر لینے کے بعد آدمی اگر کھانے، کمانے، پہناوے، غریبوں اور کمزوروں پر زیادتی کرنے، ناجائز طریقوں سے دولت سمیٹنے، دوسروں سے بالجبر اپنے مطالبات منوانے میں لگا رہے تو اس کی زندگی خدا کی عبادت کی زندگی نہیں ہے۔ آدمی کی پسند و ناپسند، اس کی زبان پر آنے والے الفاظ، اس کے آداب، اس کا لباس، اس کا کھان پان، اس کی آنکھوں کی گردشیں، اس کی نگاہوں کے بل، اس کے پیمانہ ہائے خیر و شر، اس کی دوستیاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

(اور مزید بیان) اس وقت کہے جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت مخالف تھے، لیکن مخالفت کے باوجود غلط بیانی کر کے کسی جذبے کی تسکین نہیں حاصل کی۔

اور دشمنیاں، اُس کا ہنسنا اور رونا، اُس کے آویزاں کردہ قطعات، اس کا سامانِ آرائش، اس کا اسبابِ بود و ماند، اس کی تفریحات وغیرہ یہ سب گواہیاں ہیں اس بات کی کہ وہ ربِ واحد کی عبادت کرتا ہے یا کسی طاغوت کی یا اپنے نفس کی۔

پس عبادت کا پورا مفہوم اور اس کے تقاضے سمجھتے ہوئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں اور زندگی کا سارا رویّہ خاص اس کے لیے غلامانہ اور عاجزانہ رویّہ ہو۔ اور اس کے کلام اور احکام کو سمجھنے اور ان پر بحث کرنے میں اس کی بارگاہِ عالی کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھیں۔

شرک کا معاملہ بھی بڑا پیچیدہ اور نازک ہے۔ شرک جہاں واحد سبب ہے رحمت و غفرانِ الٰہی سے قطعی محرومی کا، وہاں ریا اور دوسروں سے داد طلبی کے جذبے کا خدا کی خوشنودی پر غالب آجانا وغیرہ اُمور شرک ہی داخل ہیں، بلکہ احادیث کے عمیق مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر گناہ کو غذا پہنچانے والی باریک سی جڑ شرک ہی کی ہوتی ہے۔

بسا اوقات آدمی بڑا اکھڑ موحّد ہوتا ہے مگر نادانستہ طور پر اس کی انا جامۂ حفظِ شریعت اوڑھ کر خود حرمِ توحید میں داخل ہو جاتی ہے اور بڑی بڑی انتہا پسندیاں اور شاتیں اپنی طرف سے گھڑ کر خدا کے کھاتے میں ڈال دیتی ہے۔ توحید کی رُو سے خدا نے جسے حلال کیا وہ حلال اور جسے حرام کیا وہ حرام، اور اسی طرح جس چیز کو زیادہ اہمیت دی وہ زیادہ اہم اور جسے کم اہمیت دی وہ کم اہم۔ اب جس طرح حرام حلال کو بدلنا ناجائز ہے اسی طرح زیادہ اہم چیزوں کو کم اہم بنانا اور کم اہم چیزوں کو زیادہ اہمیت دینا بھی خدائی اختیارات میں ایسا تصرف ہے جسے شرک کی تعریف میں رکھا جاسکتا ہے۔ عبادت و ذکر کے جن طریقوں کو اس نے پسند فرمایا اور لازم کیا یا اُن کی ترغیب دلائی، ان کو ثانوی مقام پر چھوڑ کر عبادت و ذکر کی نئی شکلوں کو واجب یا پسندیدہ تر یا خدا رسی اور سکونِ قلب کا ذریعہ قرار دینا خدائی شریعت میں مداخلت ہے۔ خاص طور سے کسی ایسے ذکر یا رسم یا تقریب کو خدا کے دین کے زیرِ عنوان لازم قرار دینا یا عملاً لوگوں کو اُس کا اِس طرح پابند اور خوگر بنا دینا ہے کہ انہیں اس کے ترک میں

گناہ محسوس ہو اور ترک کرنے والے کو ملامت کی جانے لگے تو یہ سب شرک کی اقسام ہیں۔ ایسے مذہبی اور زاہدانہ اور عالمانہ وفقیہانہ شرک تو رہے سبجائے خود، ہم میں سے ہر شخص اپنے جی کے اندر، اپنے اہل خانہ میں، اپنے خاندان میں، اپنی سیاست کاری میں، اپنی کشمکش مفاد میں ایسے بُت بنا رکھتا ہے جن کی رضا اور جن کے مطالبے کو، نیز جن کے خوف کو وہ خدا تعالیٰ کی رضا اور خوف سے زیادہ مؤثر سمجھتا ہے۔ اور کسی غیر الٰہی نظامِ حکومت کو خدائی نظام کی مانند جائز قرار دینا اور اس کی تبدیلی کی جدوجہد کو ترک کر دینا یہ بھی شرک ہی کا ایک حملہ ہے۔ ایسے نظریات اور عقیدوں اور تحریکوں اور علمی بحثوں اور ثقافتی مشغلوں کو پسند کرنا جن کی اجازت وسند اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل نہ ہو، سب شرک ہے۔

پس شرک ایک ایسی شیطانی بیل ہے جو پہلے ایک ذراسی کونپل نکال کر چھوٹے چھوٹے نظر فریب پھول کھلاتے ہوئے بڑھتی ہے اور اچھے بھلے درختِ توحید سے لپٹتی جاتی ہے اور اگر بڑھنے کا موقع پالے تو اس طرح چھا جاتی ہے کہ اصل درخت کا پتہ نہیں چلتا۔ نہ کوئی پتا رہتا ہے نہ پھول اور نہ پھل کبھی نمودار ہوتا ہے۔ درختِ توحید کا رس تو شرک کی بیل چوس لیتی ہے، ہاں اگر مالی ذی شعور اور باہمت ہو تو وہ اپنے درختِ توحید کے پاس کسی غیر ضروری روئیدگی کو سر اٹھانے ہی نہ دے۔

نزاکتِ معاملہ کی آخری حد کو حضرت ابن عباس نے یہ کہہ کر چھو لیا کہ "اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو "ندّ" بنا دینا ایسے غیر محسوس طریق سے ہوتا ہے، جیسے کسی تاریک رات میں سیاہ رنگ کی کسی چٹان پر کوئی چیونٹی رینگ رہی ہو[۲]۔

اِس خطرے کو سمجھیے، اِس سے آگاہ رہیے اور اس سے اپنے ایمان کو بچانے کے لیے

---

[۱] وَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

[۲] اَلْاَنْدَادُ هُوَ الشِّرْكُ اَخْفٰى مِنْ دَبِيْبِ النَّمْلِ عَلٰى صَفَاةٍ سَوْدَاءَ فِيْ ظُلْمَةِ اللَّيْلِ ۔ اثر حضرت ابن عباسؓ (ابن ابی حاتم)

سنتری کی طرح ہوشیار رہیے۔ پل بھر کی غفلت میں دو جہان کا یہ خزانہ لٹ سکتا ہے۔[1]
اسی سلسلے میں وضاحتی جملہ یہ ہے کہ وہ غلط تصورات چھوڑ دو جو تمھیں آبا و اجداد سے پہنچے ہیں۔ یعنی شرک کی اعتقادی اور عملی صورتیں اور اس سلسلے کی عبادات و رسوم وغیرہ۔

اب آگے ابوسفیانؓ بتاتے ہیں کہ بنیادی تلقینِ توحید اور تاکیدِ ترکِ شرک کے بعد آپؐ چار باتوں کی دعوت دیتے ہیں۔
سب سے پہلے نماز کا ادا کرنا ہے۔ (وَقُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ)، کیوں کہ ایمان بالتوحید پر کھڑی ہونے والی زندگی کی پہلی اینٹ نماز ہے۔ نماز سے پھر آگے ایک ایک سلسلۂ عبادات مربوط ہے۔ ایک نظامِ اجتماعیت اس سے ظہور پاتا ہے اور ایک طرزِ اخلاق نمو پذیر ہوتا ہے۔ ایسی ہی جاندار نماز کی تعریف ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ اور ایسی ہی نماز معراج المومنین ہے۔
اِس موحدانہ نماز سے جو نظامِ عبادات اور جو اجتماعیت مربوط ہے، اس کی تفاصیل چونکہ مکی دور میں کھل کر نہیں آئی تھیں اور جو اشارات ملتے تھے وہ جناب ابوسفیان کی گرفت باہر تھے، لہٰذا آگے کی بات اخلاقیات کی طرف مڑ گئی۔ اور اس قسم کی جامع اخلاقی تلقینات قرآن میں بھی اور ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اکثر نمایاں ہوتیں، جن کے عملی

---

[1] مثلاً یہ کہنا کہ "وَاللّٰهِ وَحَيَاتِكَ"۔ یعنی اللہ کی اور تیری زندگی کی قسم، شرکِ خفی میں داخل ہے۔ آنحضورؐ سے کسی نے یوں کہا کہ "مَا شَآءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ" یعنی جو کچھ اللہ چاہے اور آپؐ چاہیں۔ اِس پر حضورؐ نے ٹوک دیا کہ تم مجھے خدا کا شریک بنانا چاہتے ہو؟ راہ احتیاط یہ ہے کہ کہو مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ مَا شِئْتَ۔ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کی مشیت ہو، اور اس کے بعد (مشیت الٰہی کے تحت) آپؐ جو کچھ پسند کریں۔ ایسی مثالیں بہت ہیں۔ عام بے دین اور خوشامدی لوگوں کے لیے تو کوئی حد ہی نہیں۔

نمونے ابوسفیان اور دوسرے مشرکین کے سامنے جلوہ گر ہوتے۔ یہاں نماز کے بعد اخلاقی تلقینات تین ہی رہ جاتی ہیں جنھیں دربارِ ہرقل میں ابوسفیان سوالات کے جوابات دیتے ہوئے پیش کر سکے۔

اوّلاً صدق۔

صدق سے یہاں ابرو ئے دینِ حق، محض سچ بولنا مراد نہیں، بلکہ سچے اور سُچّے انسانوں کی طرح درستی و سچائی کی زندگی گذارنا ہے۔ سچ بولنے والے بھی کم ہوتے ہیں۔ اور جو بولتے ہیں وہ بھی خاص خاص نازک لمحوں پر دم بخود ہو جاتے ہیں، یا پھر آدھا جھوٹ اور آدھا سچ ملا کر بولنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ اور بعض تو جھوٹ کا میک اَپ سچائی کی طرح کر دیتے ہیں۔ اِسی آخری قسم کا موجودہ مہذّب دُنیا میں دَور دورہ ہے۔ لیکن سچائی کی زندگی گذارنا کہیں زیادہ مشکل کام ہے۔ سچائی کے لیے بڑے سے بڑے محاذ چھوڑتے چلے جانا، اپنی صحیح روش اور درست کردار کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے کتنے ہی عزیزوں اور بزرگوں کو ناراض کر لینا، کسی غلط بات کی تائید نہ کر کے اور مصلحت کی پروا نہ کر کے تلخیاں اور اذیتیں مول لینا، اپنی بگڑی بات سنوارنے کے لیے اپنے اُصولوں اور رویّوں میں لچک نہ پیدا کرنا یا اُن کی تاویل نہ کرنا، یہ سب سچائی کی زندگی کے لوازم ہیں۔

"صدق" کے معنوں کی وسعت کو سمجھنے کے لیے حسبِ ذیل آیات مدد دیں گی،

قَالَ رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ الخ

(الاسرا - ۸۰)

حضوؐر نے دُعا کی کہ اے میرے ربّ مجھے صدق ہی کے راستے سے (دارالہجرت میں) داخل کیجیے اور صدق ہی کے راستے سے (مکہ سے) نکالیے۔ یہاں صدق کے ساتھ راستہ کا لفظ شامل ہے۔ اِس طرح صدق کے معنوں کی وسعت واضح ہو گئی۔ عمومی مفہوم یہ لیا جا سکتا ہے کہ جو کچھ مجھے چھوڑنا ہو، صدق کی بنیاد پر چھوڑنا ہو اور جو کچھ قبول کرنا ہو، صدق ہی کی بنا پر قبول کرنا ہو۔ یعنی کوئی ردّ و قبول کِذب و زُور کی بنیاد پر نہ ہو۔

۱۔ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (المائدہ - ۱۱۹)

۲ - لِيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ - (الاحزاب - ۸)
۳ - لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ - (الاحزاب - ۲۳)
۴ - وَيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحشر - ۸)
۵ - لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ (الاحزاب - ۲۴)
۶ - فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ - (عنکبوت - ۲)

ان میں سے آیت ۱، ۳، ۵ بتاتی ہیں کہ آخرت میں جزائے حسنہ کا دارومدار صدق (دروش صدق) پر ہوگا۔ آیت ۲ بتاتی ہے کہ صادقین سے حساب ہی اُن کے صدق کا پوچھا جائے گا یعنی تمام نیکیاں اسی دائرے میں جمع ہو جاتی ہیں۔ آیت ۴ سے واضح ہوتا ہے کہ صادقین وہ ہیں جو اللہ اور رسول کے کام میں مددگار بنتے ہیں۔ آیت ۶ میں دو قسم کے کردار اور رویے الگ الگ ہو کر سامنے آتے ہیں کہ کھرے لوگ کون سے ہیں اور کھوٹے کون سے۔ یعنی ایک وہ ہیں جنہوں نے خدا و رسولؐ سے باندھے ہوئے میثاق کو عملاً پورا کر کے اپنے آپ کو سچا ثابت کیا، اور دوسرے وہ جنہوں نے عبدیت کے میثاق کو توڑ کر اپنے آپ کو جھوٹا ثابت کیا۔

ثانیاً۔ العفاف

یہ لفظ ہمارے دینی نوشتوں میں اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے کئی اصطلاحیں بن گئی ہیں۔ بروئے لغت اس کی حقیقت یہ ہے کہ عَفَّ (یَعِفُّ) کے معنی ہیں رُک گیا اور باز رہا یا اجتناب کیا ایسے امر سے جو جائز نہیں تھا یا مناسب نہیں تھا۔ اس سے مصدری معنوں میں جو الفاظ آتے ہیں ان میں سے ایک عَفَاف (عَفَافًا) ہے۔

قرآن میں اس کے اہم استعمالات ملاحظہ ہوں:۔

۱ - وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ - (النساء - ۶) اور جو شخص محتاج نہ ہو، وہ (اپنے زیرِ نگہداشت مالِ یتیم سے) اجتناب کرے (یعنی اس میں سے کچھ نہ لے۔

۲ - وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ - (النور - ۶۰) یہاں ذکر ہے ان بزرگ خواتین کا

جو حدِ نکاح سے گذر چکی ہوں ۔ اُن سے اسی آیت کے پہلے حصّے میں کہا گیا ہے کہ وہ اگر گھروں میں زینت نمائی کے رجحان سے خالی ہو کر اپنی چادریں اُتار کے رکھ دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے[1] لیکن اگر وہ اس سے بھی پرہیز کریں تو اُن کے لیے بہتر ہے ۔

۳ ۔ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۔ اس آیت میں صدقات کے مستحقین کا ذکر کرتے ہوئے اللہ کے راستے میں زندگیاں وقف کرنے والے ایسے فقراء کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جنھیں نادان آدمی محض اس وجہ سے غنی سمجھتے ہیں کہ وہ خودداری کی وجہ سے لوگوں سے لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے ۔ (البقرہ ۔ ۲۷۳)

۴ ۔ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ
بات واضح ہے کہ جو لوگ نکاح سے بہرہ مند نہ ہو سکیں تو پھر وہ اس وقت تک کے لیے عفت مآبی اختیار کریں جب تک کہ اللہ اپنے فضل سے ان کی ضرورت پوری نہ کر دے ۔ (النور ۔ ۳۳)

قرآن کے ان استعمالات کو پڑھ کر جہاں بہ معروفِ عام حقیقت سامنے آتی ہے کہ مسلمان کو عفت مآبی کی زندگی گذارنی چاہیے، وہاں عفاف کے وسیع مفہوم میں وہ تمام امور بھی شامل ہیں جن کے ناجائز یا نامناسب ہونے کی وجہ سے ان سے اجتناب اور پرہیز کا مطالبہ کیا گیا ہے ۔ یعنی عفاف درحقیقت لفظ تقویٰ کی طرح ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے کہ اپنے ایمان اور ذوقِ صدق وصفا اور فریضۂ امانت و دیانت اور اخلاقِ حسنہ کی رُو سے جہاں جہاں جن جن چیزوں سے پرہیز کرنا لازم ہو، آدمی اُن سے پرہیز کرے ۔

عفاف کی زندگی احتیاط کی زندگی ہے ۔

ایک خدا ناآشنا اور مشرکین کی زندگی تھی کہ ہر خواہش آدمی کی ناک میں نکیل کر جدھر چاہتی گھما سکتی تھی ۔ (اور آج بھی ایسا ہے) ۔ اور ایک حق پسند مسلمانوں کی زندگی تھی، جن کا عقیدۂ توحید ہر شائبۂ شرک سے پاک ہوتا اور زندگیوں کا ایک اصول عفاف

---

[1] واضح رہے کہ قرآن نے أَن يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ کے الفاظ استعمال کیے ہیں ۔ بادی النظر میں یہ غیر موزوں مفہوم نکل سکتا ہے کہ وہ اپنے عام کپڑے الگ کر کے رکھ سکتی ہیں، لیکن سلف سے اب تک کے مفسرین نے بالاتفاق یہاں مراد سروں کی چادروں سے لی ہے ۔

ان کے تمام احوال پہ حاوی ہوتا جیسے کہ دوسرے اہم اصول تھے۔

ثالثاً۔ وَالصِّلَہ!

صِلَہ سے مرادِ عام تو واضح ہے، تعلق جوڑنا۔ مگر پوری اصطلاح قرآن و حدیث کے منشا کے مطابق صلہ رحمی کی ہے۔ یعنی اقربا سے رابطے قائم رکھنا، خصوصاً زوجین کے دوطرفہ رشتوں کو جوڑے رکھنا، والدین اور اولاد کے تعلقات کا آپس میں درست طور پہ کام کرنا۔ اور پھر اس سے آگے تمام سماجی اور تمدنی رابطے نبھانا —— جیسے استاد اور شاگرد، آقا اور ملازم، حاکم اور شہری، تاجر اور گاہک، وزیر اور ووٹر، دوست اور پڑوسی، ہم پیشہ اور ہم سفر (وغیرہ)، کے درمیان ہوتے ہیں، اِن سب کو اسلام ان کی صحیح شکل میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ ان کی صحیح اور مکمل شکل تو پورے نظامِ اجتماعی کو بدلنے سے بنتی ہے۔ لیکن جب تک ایسا نہ ہو، کم سے کم درجے کا قابلِ عمل معیار اسلام نے افراد کے سامنے رکھا ہے کہ وہ اسے بہترین اصولوں اور رویوں کی مدد سے قائم رکھیں۔

ہمارے تمام جوڑ میل اور تمام ادارے اور نظام جو ہیئت تہذیب و تمدن کا ایک حصہ ہیں۔ ان سب کا دارومدار اسی "صِلَہ" کے اصول پہ ہے۔

امام مسلم و بخاری کی قبول کردہ ایک صحیح روایت (اثر) کا یہ ایک محدود سا رُخ جو بیان ہوا ہے، اُمید ہے کہ اس پہ غور کر کے خاصا استفادہ کیا جا سکتا ہے اور زندگی کو سنوارا جا سکتا ہے[1]۔

---

[1] ابوسفیان کے اس بیان کا اصولِ حدیث کے تحت وزن یوں بنتا ہے کہ انہیں اپنے دورِ جاہلیت میں ایک واقعہ پیش آیا جس کا تعلق حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا اور پھر وہ مسلمان ہوئے۔ ان کے ایمان لانے کی وجہ سے ان کے قول کا پایۂ اعتبار بلند ہو گیا۔ نیز جو باتیں انہوں نے ہرقل سے کہیں، وہ اپنے صحیح ہونے پہ خود دال ہیں۔ تاریخی واقعات کی گواہی بھی اس بیان کے حق میں ہے۔

عورت کی حکمرانی قرآن و سنت کی روشنی میں

مولانا گوہر رحمٰن صاحب - مردان

(۲)

عورت کی حکمرانی اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی روشنی میں

پاکستان کے دستور کی دفعہ ۹۱ (۲) میں تو وزیر اعظم کے لیے مرد ہونے کی تصریح نہیں کی گئی لیکن دفعہ ۲ میں اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے اور دفعہ ۲ (الف) میں قرارداد مقاصد کے اصول کو دستور کا مستقل اور موثر حصہ قرار دیا گیا ہے اور قرارداد مقاصد میں کہا گیا ہے کہ:

"جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کے اصولوں کو جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے پوری طور پر ملحوظ رکھا جائے گا۔"

جب اسلام ریاست کا سرکاری مذہب ہے اور "مساوات کی اسلامی تشریح" کو ملحوظ رکھنا لازمی ہے تو اس کا تقاضا یہی ہے کہ عورت حکمران نہیں بن سکتی۔ اس لیے کہ اسلام کے احکام اس کی اجازت نہیں دیتے۔ دفعہ ۹۱ میں یہ تصریح تو نہیں کی گئی کہ عورت بھی وزیر اعظم بن سکتی ہے لیکن دفعہ ۲ اور دفعہ ۲ (الف) میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ اسلام سرکاری مذہب ہے اور جمہوریت و مساوات کی اسلامی تشریح کو ملحوظ رکھنا لازم ہے تو ان دونوں دفعات کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وزیر اعظم کا مرد ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح دفعہ ۴۲ اور دفعہ ۹۱ (۳) کی رو سے صدر اور وزیر اعظم دونوں کے حلف ناموں میں یہ بات شامل ہے کہ "میں قرآن پاک اور سنت کی جملہ تعلیمات و مقتضیات پر ایمان رکھتا ہوں۔"

قرآن و سنت کی رُو سے تو عورت صدر یا وزیراعظم نہیں بن سکتی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جب خاتون وزیراعظم کا حلف اُٹھاتی ہے تو وہ خود اپنے حلف کے الفاظ کی خلاف ورزی کرتی ہے اس کے علاوہ دستور کے سرکاری طور پر شائع کردہ اُردو ترجمے میں مذکر کا صیغہ آیا ہے۔ اس سے بھی یہی تشریح ہوتا ہے کہ دستور بنانے والوں کے ذہن میں عورت کو وزیراعظم بنانے کا خیال موجود ہی نہیں تھا۔ ۱۹۵۶ء کے دستور میں اور تمام مکاتبِ فکر کے علماء کے مرتب کردہ ۲۲ نکات میں بھی سربراہِ حکومت اور سربراہ ریاست کے لیے مرد ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

شُبہات اور ان کا ازالہ

کچھ صحافیوں نے اس دینی مسئلے کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ شبہات دراصل مغربی جمہوریت کے وہ جراثیم ہیں جو ہمارے معاشرے میں پھیل چکے ہیں۔ ان شبہات اور غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری ہے تاکہ متلاشیانِ حق کا ذہن صاف ہو جائے۔ درج ذیل سطور میں ممکنہ شبہات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

ا۔ مرد و زن کی مساوات کو سندِ جواز بنانا

آج کل سب سے بڑا نعرہ یہ لگایا جا رہا ہے کہ مرد اور عورت دونوں ہر لحاظ سے برابر ہیں اور اس مساوات کا تقاضا یہ ہے کہ مرد اور عورت حکمرانی کرنے کے حق میں بھی مساوی ہوں۔

جواب

مرد اور عورت انسانی کرامت اور بنیادی حقوق میں تو برابر ہیں لیکن ذمہ داریوں اور صلاحیتوں میں دونوں برابر نہیں ہیں۔ عورت پر یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ سیاست البیت کے ساتھ اس پر سیاست المدُن کی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ورنہ دونوں کے تقاضے پورے کرنا مشکل ہو جاتا۔ حکومت کرنا ایک حق نہیں ہے بلکہ ایک ڈیوٹی ہے اور ایک فرض ہے جو دوسری گھریلو ذمہ داریوں کی وجہ سے عورت پر نہیں ڈالا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ بوجھ کم کرنا حق تلفی نہیں ہے اور اس بوجھ کی کمی پر احتجاج کرنا دانشمندی نہیں ہے، بلکہ دیوانگی کی علامت ہے۔ عورت

پر نماز جمعہ، نماز عید اور نماز جنازہ فرض نہیں ہے تو کیا یہ اس کی تحقیر اور توہین ہے ؟ ہرگز نہیں! یہ تو اس پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے بوجھ کم کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرد و زن انسانی کرامت ایمانی شرافت اور بنیادی حقوق میں تو برابر ہیں، لیکن اسلام نے ذمہ داریوں اور فرائض میں یکسانیت نہیں رکھی، بلکہ تنوع اور تقسیم کار کا اصول پیش کیا ہے۔ عورت کا فرض گھریلو ذمہ داریاں پوری کرنا ہے اور مرد کا فرض بیرونِ خانہ فرائض ادا کرنا ہے۔ فرائض کا یہ متوازن نظام ایک فطری نظام ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے۔

۲۔ حکومت کے بارے میں آیات کے عموم کو سندِ جواز بنانا

کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ سورۃ النساء کی آیت ۵۹، سورۃ الحج کی آیت ۴۱، سورۃ النور کی آیت ۵۵ اور دوسری آیات و احادیث میں امارت، تمکین اور خلافت و حکومت کی نسبت عام مسلمانوں کی جانب کی گئی ہے۔ جن میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ صیغے اگرچہ مذکر کے آئے ہیں، مگر قرآن کی اصطلاح یہ ہے کہ مذکر کے صیغوں کے عموم میں خواتین بھی شامل ہوتی ہیں، اس عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں حکمرانی کی اہلیت رکھتے ہیں اور عورت کو حکمرانی کے استحقاق سے مستثنیٰ کرنا قرآن کے عموم کے خلاف ہے۔

جواب

اِن آیات سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی حکومت ان کی رائے سے بنے گی اور اس کی تشکیل میں مردوں اور عورتوں سب کی رائے شامل ہوگی۔ نیز اس حکومت کی برکات و ثمرات سے بھی مرد اور عورت سب مستفید ہوں گے۔ اِن آیات کا مفہوم وہی ہے...... ...... جو سورۃ الشوریٰ کی آیت وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کا ہے یعنی یہ کہ مسلمانوں کی حکومت اُن کے مشورے (رائے) سے بنے گی اور اُن کے مشورے سے چلے گی۔ رائے دہی کے حق میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں اس لیے کہ قرآن وسنت میں عورتوں کو حقِ رائے دہی سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ باقی رہیں سربراہِ حکومت کی شرائط اہلیت تو یہ دوسری آیات و احادیث میں بیان ہوئی ہیں کہ وہ مرد ہو، مسلمان ہو، عالمِ دین ہو، متقی و دیانت دار ہو اور جسمانی طور

پر مستند ہوں، ان شرائط کی تفصیل اور دلائل گذشتہ سطور میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اگر ان آیات کے عموم سے عورت کی حکمرانی کا جواز ثابت ہوتا ہے تو پھر ان سے یہ بھی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ان پڑھ، لاعلم، فاسق و فاجر اور جسمانی طور پر معذور شخص بھی حکمرانی کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ آیات کے عموم میں تو یہ بھی شامل ہے۔ قرآن کی تفسیر دوسری آیات اور احادیث کی روشنی میں کرنی چاہیے۔ جب دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا ہے کہ "مرد حکمران ہیں عورتوں پر"۔ "مردوں کو صلاحیتوں میں فوقیت حاصل ہے"۔ اور "عورتوں کا دائرہ کار گھر ہے"۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کہ حکمرانی کرنا مردوں کی ذمہ داری ہے اور عورتیں اس ڈیوٹی سے سبکدوش کر دی گئی ہیں تو ان واضح آیات و احادیث کو نظر انداز کر کے امارت و خلافت سے متعلق آیات و احادیث کے عموم کو عورت کی حکمرانی کے لیے جواز کی دلیل بنانا غلط فہمی ہے یا پھر دانستہ طور پر فتنہ انگیزی ہے، استدلال نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شورائی اور جمہوری حکومت پوری قوم کی حکومت ہوتی ہے اس لیے کہ یہ قوم کی رائے سے بنتی ہے اور پوری قوم اس سے استفادہ کرتی ہے۔ لیکن عملاً حکومت کا نظم و نسق چلانے کی ذمہ داری پوری کرنے والے حکمران کے لیے اہلیت کا ایک معیار مقرر ہوتا ہے اور قوم اس معیار پر پورا اترنے والے شخص ہی کو اپنا سربراہ بناتی ہے۔ اسلامی نظام میں سربراہی کے لیے مرد ہونا بھی ایک شرط ہے۔

۳۔ ملکہ بلقیس کی حکومت کو سندِ جواز بنانا

محترمہ بے نظیر کے کچھ وکلا کا کہنا ہے کہ قرآن کریم میں قومِ سبا پر ملکہ بلقیس کی حکمرانی کا ذکر آیا ہے۔ جو عورت کی حکمرانی کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔

جواب

ان وکیلوں کو یہ بھی سوچنا چاہیے تھا کہ قرآن کریم میں ملکہ بلقیس کی حکومت کا ذکر تو آیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے مشرکہ ہونے کا ذکر بھی تو آیا ہے (نمل آیت ۲۴) اگر اس آیت سے عورت کی حکمرانی کا جواز ثابت ہو سکتا ہے تو پھر اس سے مشرکہ عورت کی

حکمرانی بھی ثابت کی جا سکتی ہے۔ نیز یہ بھی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ موروثی بادشاہت بھی اسلام میں جائز ہے اس لیے کہ بلقیس کی یہ حکومت موروثی بادشاہت کے اصول پر قائم ہوئی تھی، عوام کی رائے سے قائم نہیں ہوئی تھی۔ قرآنِ کریم میں مشرک بادشاہوں کی بادشاہتوں کا ذکر اس لیے نہیں ہوا کہ مسلمان انہیں نمونۂ عمل بنا دیں، بلکہ اس لیے ان کا ذکر ہوا ہے کہ مسلمان اُن کے طرزِ عمل سے اجتناب کریں۔ مسلمانوں کے لیے اُسوۂ حسنہ بلقیس کی زندگی نہیں ہے۔ بلکہ رسول اللہ ؐ اور خلفائے راشدینؓ کی سنّت اُسوۂ حسنہ ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ ایمان لانے کے بعد حضرت سلیمانؑ نے بلقیس سے شادی کر لی تھی اور اُسے اُس کی حکومت پر برقرار رکھا تھا۔ تو اس کے جواب میں عرض یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں بلقیس کے ایمان لانے کا ذکر تو آیا ہے۔ (نمل۔۴۴) لیکن شادی کرنے اور یمن کی حکومت پر برقرار رکھنے کا ذکر نہ قرآن میں آیا ہے اور نہ سنّتِ رسول ؐ میں آیا ہے۔ امام قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ لم یرد فیہ خبرٌ صحیحٌ یعنی اس بارے میں کوئی صحیح الاسناد خبر موجود نہیں ہے۔[1] باقی رہی تاریخ تو اس بارے میں تاریخی روایات تین قسم کی آئی ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت سلیمانؑ نے نکاح کے بعد بلقیس کو اپنے پاس شام ہی میں رکھا تھا۔[2]

دوسری یہ کہ نکاح کے بعد اُسے یمن کی حکومت پر واپس لوٹا دیا تھا۔

تیسری روایت یہ کہ حضرت سلیمانؑ نے اس کا نکاح ہمدان کے حکمران تبّع سے کروا کر اُس کے اِس شوہر کو یمن کا حاکم بنا دیا تھا۔[3]

امام ابن کثیر نے لکھا ہے کہ بلقیس کے بارے میں قرآنِ کریم میں بیان کردہ قصّے سے زائد جو تاریخی روایات آئی ہیں وہ یہودیوں کی پھیلائی ہوئی اسرائیلیات ہیں۔ ظاہر ہے کہ اسرائیلیات کی بنا پر تو کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہو سکتا جب کہ قرآن وسنّت کے احکام ان کے متضاد آ گئے ہوں فافہم۔

---

[1] تفسیر قرطبی جلد ۱۳ ص ۲۱۱۔

[2] تفسیر قرطبی جلد ۱۳ ص ۲۱۰

[3] الکامل لابن الاثیر جلد ۱ ص ۲۳۷۔ ۲۳۸ اور البدایۃ والنہایہ لابن کثیر جلد ۲ ص ۲۴۔

بالفرض اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت سلیمانؑ نے نکاح کے بعد بلقیس کو اس کی حکومت پر لوٹا دیا تھا تو یہ شریعت سلیمانیہ کا حکم ہوگا شریعتِ محمدیہ میں تو یہ ممنوع ہے۔ انبیاء سابقین کی شرائع کا جو حکم شریعتِ محمدیہ کے خلاف ہو وہ ہمارے لیے حجت نہیں بن سکتا۔

؎ پس خدا برما شریعت ختم کرد بر رسولِ ما رسالت ختم کرد

۴۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے فتوے کو سندِ جواز بنانا

بے نظیر کے شیدائی آج کل حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ متوفی ۱۳۶۲ھ کے امداد الفتاوی جلد ۵ ص ۹۱، ۹۲ پر درج فتوے کو بڑے زور شور سے اچھال رہے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ جمہوری حکومت میں عورت حکمران بن سکتی ہے اس لیے کہ جمہوری حکومت کی حقیقت مشورہ ہے اور عورت مشورہ دینے کی اہل ہے اور دلیل میں بلقیس کی حکومت کو پیش کیا گیا ہے۔

جواب

یہ فتوی حضرت تھانویؒ نے ۱۳۳۰ھ میں اپنی وفات سے ۳۲ سال قبل دیا تھا۔ اس فتوے میں بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ فقہاء نے حدیثِ رسولؐ کی بنا پر ولایۃ الکاملہ یعنی امامتِ کبریٰ (کامل حکومت) کے لیے مرد ہونا شرط قرار دیا ہے، لیکن نظارت (نگرانی) کے لیے مرد ہونا شرط قرار نہیں دیا اور جمہوری حکومت ولایت کاملہ (مکمل حکومت) نہیں ہوتی بلکہ ایک قسم کی نگرانی اور محض مشورہ ہوتا ہے۔ حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ پارلیمانی طرزِ حکومت میں وزیر اعظم ولایت کاملہ اور ولایت عامہ رکھنے والا کامل حکمران ہوتا ہے۔ صرف نگران اور مشورہ دینے والا نہیں ہوتا اسی غلط فہمی کی وجہ سے یہ رائے قائم کی گئی تھی، لیکن تنبّہ کے بعد حضرت تھانوی نے اس رائے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رجوع کر لیا تھا۔ کیونکہ مولانا تھانوی کی تفسیر بیان القرآن میں عورت کی حکمرانی کو مطلقاً ممنوع قرار دیا گیا ہے اور جمہوری و غیر جمہوری کا کوئی فرق بیان نہیں کیا گیا۔

"ہماری شریعت میں عورت کو حکمران بنانے کی ممانعت ہے۔ پس بلقیس کے قصہ سے کوئی شبہ نہ کرے اوّل تو یہ فعل مشرکوں کا تھا۔ دوسرے اگر شریعت سلیمانیہ نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شرع محمدی میں اس کے خلاف

ہوتے ہوئے حجت نہیں"[1]

امداد الفتاویٰ کی تحقیق مولانا تھانویؒ کی وفات سے ۳۲ سال پہلے کی ہے۔ عمر کے آخری سال میں مفتی محمد شفیعؒ نے احکام القرآن (عربی)، کا وہ حصہ حضرت تھانوی صاحب کی خصوصی نگرانی میں لکھا تھا جو ان کے سپرد کیا گیا تھا اور اس میں صاف طور پر لکھا گیا ہے کہ:

"محمدؐ کی شریعت میں عورت حکمران بننے کی اہل نہیں ہے اور بلقیس کا واقعہ کفار کا عمل تھا۔ اس لیے حجت نہیں بن سکتا۔"[2]

مفتی محمد شفیعؒ نے خود اپنی تفسیر معارف القرآن میں بھی اجماع نقل کیا ہے کہ عورت حکمران نہیں بن سکتی۔ بیان القرآن، احکام القرآن اور معارف القرآن تینوں کی صاف اور غیر مبہم تحریر کو نظر انداز کر کے حضرت تھانویؒ کے امداد الفتاویٰ والے پرانے فتوے کو اچھالنا استدلال نہیں ہے بلکہ فتنہ انگیزی ہے، علمی تحقیق نہیں ہے، بلکہ علمی خیانت ہے۔ بلقیس کی حکومت کو امداد الفتاویٰ میں دلیل بنایا گیا تھا۔ لیکن بیان القرآن اور احکام القرآن میں حضرت تھانویؒ نے خود ہی یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ یہ کفار کا عمل تھا اور اگر حضرت سلیمانؑ نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شریعتِ محمدیہ میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے حجت نہیں تو آخر اس تردید صریح کے ہوتے ہوئے امداد الفتاویٰ کے فتوے کو کس طرح جواز کی دلیل قرار دیا جا رہا ہے۔

(باقی)

تصحیح

شمارہ مارچ - ص ۲۲ سطر ۲۰

"وَسَطاً" کے بجائے "وَسَطاً"

(ادارہ)

---

[1] بیان القرآن - النمل ۲۳-

نبی اکرمؐ کا خطبۂ رمضان المبارک

جناب محمد محسن ٹونکی صاحب

(۲)

۹۔ اَوَّلُہٗ رَحْمَۃٌ۔ اَوْسَطُہٗ مَغْفِرَۃٌ۔ اٰخِرُہٗ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ۔

نحوی اعتبار سے یہ تینوں جملے فرداً فرداً اپنی جگہ مکمل مفرد جملے ہیں۔ ہر جملہ مبتدا اور خبر سے مِل کر بنا ہے لہٰذا اسمیہ خبریہ ہے۔ اگر اِن جملوں کو حرفِ عطف سے مربوط کر دیا جائے تو پھر ان سے مل کر ایک بڑا جملہ یعنی جُملہ معطوفہ بن جائے گا۔

علم النحو کے زاویۂ نگاہ کے بجائے اگر ہم علم البیان کے زاویۂ نگاہ سے اِن جملوں کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ تشبیہ کی مشاطہ نے اِن جملوں کو سنوار رکھا ہے۔ اِن میں فرداً فرداً تشبیہ بلیغ کا گوہر درخشاں ہے۔

ہم اپنے مجازی محبوب کے لیے بھی توصیفی اور تشبیہی انداز میں کہہ دیتے ہیں کہ اس کا قامتِ زیبا قیامت ہے۔ شاخِ قامت پہ اُس کا چہرۂ زیبا ایک گُلِ نو شگفتہ ہے۔ اُس کے رُخسار پھول ہیں، اُس کی زبان سوسن یا بُلبلِ ہزار داستان ہے، اُس کی آنکھیں نرگسِ مستانہ ہیں۔ اُس کی کاکلیں زنجیریں ہیں۔ ایک شاعر کا نعتیہ انداز دیکھیے:

ع دو عالم بہ کاکل گرفتار داری

یہ سب محبوب کے سراپا کو بیان کرنے کے مختلف تشبیہی انداز ہیں۔ اِسی طرح اگر حبیبِ حق اور محبوب ربُّ العٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے (فِدَاہُ اَبِیْ وَ اُمِّیْ وَ فِدَاہُ نَفْسِیْ)

رمضان المبارک کے سراپا کو تشبیہی انداز کے ساتھ اس طرح بیان فرمایا کہ "اس کا عشرۂ اوّل رحمت عشرۂ وسطیٰ مغفرت اور عشرۂ آخر آگ سے آزادی ہے"۔ تو اس میں حیرت و تعجب کا کیا سوال ہے۔ آخر رمضان المبارک بھی تو بلاشبہ محبوب ربّ العٰلمین، محبوب رحمۃٌ للعالمین ہے اور محبوبُ المسلمین بھی۔

ان تینوں جملوں میں پروردگارِ عالم کی تین صفات یعنی صفتِ رحمت، صفتِ مغفرت اور صفتِ اجارۃ بیان ہوتی ہے۔ یعنی پروردگارِ عالم رحمٰن و رحیم ہیں۔ غفار اور مجیر ہیں۔ یہ تینوں صفات رمضان المبارک میں زیادہ کارفرما اور زیادہ فعال ہوتی ہیں۔ اور اجر و ثواب میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایک صفت دوسری صفت سے پیدا ہوتی اور اس پہ استدلال کرتی ہے۔ رحمت سے مغفرت اور اجارۃ دونوں پہ استدلال ہوتا ہے۔ یعنی مغفرت اور اجارۃ دونوں اسبابِ رحمت ہیں۔ اسی طرح مغفرت سے اجارۃ پہ اور اجارۃ سے مغفرت پہ اور پھر مغفرت سے رحمت پہ استدلال ہوتا ہے۔ ہر صفت دوسری صفت کے ساتھ ہم آغوش ہے اور اس کا جزوِ لاینفک ہے۔ اس اعتبار سے ہر صفت پورے ماہِ مبارک پہ چھائی ہوئی ہے۔ اگر ہم ہر صفت کو عشرے کے ساتھ مختص کریں گے تو گویا غیر محدود صفات کو محدود کر دیں گے حالانکہ پورا مہینہ ان صفات کے انوار و تجلیات کا آئینہ دار ہے۔ جب رمضان المبارک ان صفات کا مرکز و مظہر ہے تو وہ خود سراسر جلوہ زار اور سراپا انوار ہے۔

جس سرچشمۂ تجلیات اور منبعِ انوار سے کائنات کا ذرّہ ذرّہ روشن ہے تو یہ کیوں کر ممکن ہے کہ یہ ماہِ مبارک اس کے انوار سے منور نہ ہو۔ یہ مہینہ کوئی معمولی مہینہ نہیں۔ یہ سراپا نور ہے۔ اس لیے کہ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ (البقرہ۔ ۱۸۵) اور اس لیے کہ اَلصَّوْمُ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ (حدیث قدسی)۔ یہ رمضان المبارک کے سراپا نور ہونے کا ایک پہلو ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس ماہ میں آقا کا قرب اپنے غلاموں کے ساتھ نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ اور غلام بھی توفیقِ الٰہی اور تائیدِ ایزدی کے ذریعے عبادات میں جوش و خروش دکھاتے ہیں۔ نوافل بھی ترک نہیں کرتے کیونکہ وہ فرائض کے برابر ہو جاتے ہیں۔ اشراق و چاشت۔ اوابین اور تہجد کے نوافل پابندی اور ذوق و شوق کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

صلوٰۃ التسبیح اور تراویح بھی ادا کی جاتی ہیں۔ نمازِ تراویح کی یہ فضیلت ہی کیا کم ہے کہ اس میں ہر غلام کو آقا کے سامنے چالیس مرتبہ سربسجود ہونے کی یومیہ سعادت نصیب ہوتی ہے۔ تلاوتِ کلامِ پاک میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور آخری عشرے میں تو بیشتر غلام معتکف ہو جاتے ہیں۔ ہر تعلق کو توڑ کر آستانۂ الٰہی سے چمٹ جاتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے گویا ہر معتکف اس طرح التجا کر رہا ہے۔

مقبول گر نہ ہوں تو نہ ہوں سجدہ ہائے شوق!
اب سر تو لے کے جاؤں ترے آستاں سے کیا

الغرض اعمالِ صالحہ، افعالِ حسنہ، کردارِ پاکیزہ، سیرۃ مطہرہ، ایمان اور قرآن سب سراپا انوار ہیں۔ یہ نور وہ ہے جس سے ظلمتِ کفر کافور ہوتی ہے۔ قرآنِ کریم نے کفار کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

انْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ (الحدید-۱۳)

ترجمہ: ذرا ہمارے پاس ٹھہرو نا۔ ہم بھی تمہارے خرمنِ انوار سے خوشہ چینی کر لیں۔

مفسرین کرام نے اسے اعمالِ صالحہ اور سیرت و کردار کے خرمنِ انوار سے تعبیر کیا ہے۔ یہ رمضان المبارک کے سراپا انوار ہونے کا دوسرا پہلو ہے۔

ان انوار کے اجتماع سے یہ مہینہ نُورٌ علیٰ نُور ہو جاتا ہے۔ تجلیات کا جلوہ زار بن جاتا ہے بالفاظِ دیگر یوں کہیے کہ یہ ماہ مبارک گلشنِ توحید کی صبحِ بہار ہی نہیں غیرتِ صبحِ بہار بھی ہے۔ اس کا ہر عشرہ رحمت، مغفرت اور اجارۃ سے گھرا ہوا ہے۔ صفات محیط ہیں اور عشرہ محاط۔ عشرۂ اول رحمت ہے اور مغفرت و اجارۃ بھی۔ عشرۂ وسطیٰ مغفرت ہے اور اجارہ و رحمت بھی۔ اسی طرح عشرۂ آخر اجارۃ یعنی عِتْقٌ مِّنَ النَّار ہے اور مغفرت و رحمت بھی۔ کیونکہ ہر صفت دوسری صفت پر استدلال کرتی اور اس کا لزوم ثابت کرتی ہے۔ اور صفات بھی سراپا انوار ہی ہیں۔ لہٰذا اس تشبیہ بلیغ میں مشبّہ واحد اور مشبہ بہ متعدد ہیں۔

مشبہ بہ کا متعدد ہونا تشبیہ کا مزید وصف ہے۔ اس سے تشبیہ کی ندرت، نفاست اور علوِ پایگی ثابت ہوتی ہے۔ دیکھیے مشبّہ اور مشبّہ بہ کے درمیان کیسا کامل تطابق ہے۔ کیونکہ رمضان المبارک

ہر دو پہلو سے سراپا انوار ہے اور صفاتِ الٰہی بھی سراپا انوار ہیں۔ مزید وضاحت کے لیے خاکہ ملاحظہ کیجیے:

وضاحتی خاکہ

مشبّہ	مشبّہ بہ	وجہ شبہ
اَوَّلُہٗ	رحمت، مغفرت، اجارۃ	رحمت، مغفرت، اجارۃ، نور، سرور، فوزِ عظیم۔
اَوْسَطُہٗ	مغفرت، اجارۃ، رحمت	مغفرت، اجارۃ، رحمت، نور، سرور، فوزِ عظیم۔
آخِرُہٗ	عتق (اجارۃ) مغفرت، رحمت	اجارہ، مغفرت، رحمت، نُور، سرور، فوزِ عظیم۔

ادبی حسن کے علاوہ اِن تینوں جملوں میں عروضی حسن بھی موجود ہے۔ یہ جملے موزوں ہیں نثر نہیں، نظم ہیں اور ان کا نظم ہونا حُسنِ مستزاد ہے۔ عروضی اعتبار سے اِن موزوں جملوں کی تقطیع درج ذیل طریقہ سے کی جا سکتی ہے۔

عروضی رُخ
تقطیع

اَوَّلُہٗ	رَحْمَۃٌ
مُفْتَعِلُنْ	فَاعِلُنْ
اَوْسَطُہٗ	مَغْفِرَۃٌ
مُفْتَعِلُنْ	فَاعِلَتُنْ
آخِرُہٗ	عِتْقٌ
مُفْتَعِلُنْ	فَعِلُنْ

دیکھیے، تینوں جملوں کے ابتدائی الفاظ ہم وزن ہیں۔ مگر آخری الفاظ کے اوزان متفرق ہیں۔ اِس موقع پر یہ غلط فہمی ہرگز نہیں ہونی چاہیے کہ یہ موزوں جملے شعر ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم شاعر ہیں - معاذ اللہ ثم معاذ اللہ - اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے غیر ارادی طور پر نکلے ہوئے ان موزون جملوں کو شعر تسلیم کر لیں تو پھر ہر انسان کو ہمیں شاعر تسلیم کرنا پڑے گا -

شاعری آسان نہیں ہے - اِس کے لیے تخیل آرائی کرنا پڑتی ہے - جذبات، تاثرات اور خیالات پیدا کرنا پڑتے ہیں - پھر ان میں رنگینی و رعنائی پیدا کرنی پڑتی ہے، ذہنی اور فکری کاوش کرنا پڑتی ہے - موزوں اور منتخب الفاظ، چست بندشیں اور دلآویز ترکیبیں تلاش کرنا پڑتی ہیں - الفاظ میں ترمیم و تنسیخ اور کانٹ چھانٹ کرنا پڑتی ہے - تب کہیں جا کر ایک شعر جامۂ زیب ہوتا ہے - شعر کہنے کے لیے موزونیت اور ارادہ شرطِ اوّل ہے - غرض شاعری خون تھکائی اور جگر کاوی کا نام ہے -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ موزوں درج بالا تمام تکلفات سے مبرا ہیں لہٰذا انہیں شعر ہرگز نہیں کہہ سکتے - مخالفین نے جب کہا :

اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ (الصّٰفّٰت -)

ترجمہ: کیا ہم ایک شاعر مجنون کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں -

تو قرآن کریم نے انھیں اس طرح منہ توڑ جواب دیا :

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ (یٰسٓ -)

ترجمہ: ہم نے اپنے جلیل القدر رسول کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور یہ اُن کے منصبِ رسالتؐ کے شایانِ شان بھی نہیں ہے -

اِس جواب پر غور کیجیے - دونوں جملوں میں مائے نافیہ کی تکرار نے جواب کو کیسا سخت اور پُر زور کر دیا ہے - اگرچہ اس جواب میں لطافت ہی لطافت اور نرمی ہی نرمی ہے -

سورۂ شعراء میں بھی شعراء کا تذکرہ کیا گیا ہے اور واضح طور پر اُن کی صفات اور خصوصیات بیان فرمائی گئی ہیں -

قرآن کریم فرماتا ہے :

بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ (الانبیاء - ۵)

ترجمہ: بلکہ اس نے اس کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے، بلکہ وہ شاعر ہے -

یعنی یہ کلام شعر ہے جو اس شاعر کا نتیجۂ طبع ہے۔
یہ منافقین کا قول ہے۔ اَلشَّعْرُ بمعنیٰ بال۔ اس کی جمع اشعار ہے۔ شعر اصل میں علمِ لطیف کا نام ہے۔ پھر عرفِ عام میں موزون اور مقفّٰی کلام کو شعر کہا جانے لگا۔ شاعر کو بھی اس کی باریکیٔ بینی اس کی فطانت، لطافتِ نظر اور لطافتِ طبع کی وجہ سے ہی شاعر کہا جاتا ہے۔
بیشتر مفسرین کرام نے یہ سمجھا ہے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شعر یعنی منظوم و مقفّٰی کلام بنانے کی تہمت لگائی تھی حتیٰ کہ وہ قرآن میں ہر موزون آیت کی تاویل کرنے لگے۔ لیکن بعض حقیقت شناس لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے اُن کا مقصد منظوم اور مقفّٰی کلام بنانے کی تہمت لگانا نہیں تھا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم اسلوبِ شعری سے مبرا ہے اور اس حقیقت کو عجمی بھی بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ پھر فصحاء عرب کا کیا ذکر ہے۔ بلکہ وہ آپؐ پر (نعوذ باللہ) جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے۔ کیونکہ عربی زبان میں شعر بمعنی کذب اور شاعر بمعنی کاذب استعمال ہوتا ہے حتیٰ کہ جھوٹے دلائل کو اَدِلَّۃٌ شِعْرِیَّۃٌ کہا جاتا ہے اور شعر چونکہ جھوٹ کا پلندہ ہوتا ہے اس لیے مقولہ مشہور ہے کہ اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَکْذَبُہٗ یعنی سب سے بہتر شعر وہ ہے جو سب سے زیادہ جھوٹ پر مشتمل ہو۔ (مفردات القرآن)
غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعراء کے ساتھ سرِمو بھی کوئی نسبت نہیں۔ آپؐ تو سرتاسر حق کا منبع اور صدق کا سرچشمہ ہیں۔ دسویں، گیارھویں اور بارھویں جملے میں بھی صرف امتیازی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ فی الحال خطبۂ مبارکہ کے صرف بارہ جملے ہی زیرِ بحث ہیں۔
یہ ہیں انفرادی ادبی محاسن مگر ایک اجتماعی حسن ایسا بھی ہے جو پورے خطبہ پر چھایا ہوا ہے اور پورے خطبہ کی آرائش و زیبائش ہے۔ اس اجتماعی ادبی حسن کا ادراک کرنے کے لیے یوں سمجھیے کہ بارہ جملوں میں چھ جملے ایسے ہیں جن میں رمضان المبارک کی خصوصیات بھی ہیں اور ادبی محاسن بھی جلوہ نما ہیں۔ مگر بقیہ چھ جملوں میں صرف خصوصیات ہی خصوصیات ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھیے کہ اس خطبہ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں بھی خصوصی طور پر "شَھْرُ رَمَضَانَ" استعمال نہیں فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ عمومیت کے ساتھ "شَھْرٌ، شَھْرٌ، شَھْرٌ" استعمال فرما رہے ہیں اور اس کی صفات و خصوصیات بھی بیان فرما رہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے

ذہنوں میں بھی معہودِ ذہنی کے طور پر "رمضان" کا لفظ موجود ہے اور وہ خوب اچھی طرح سمجھ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تمام ارشادات "رمضان" ہی کے متعلق ہیں، مگر خارج میں اس کا کہیں وجود نہیں۔

حسنِ کلام کا یہ بھی ایک نرالا انداز ہے کہ کسی شے کا ذکر ہی نہ کیا جائے، صرف اس کی خصوصیات بیان کی جائیں اور ان خصوصیات ہی کے ذریعے اُس خاص شے کا سراغ لگ جائے۔ کلام کا یہ عجیب انداز خطبۂ مبارکہ پر چھایا ہوا ہے۔ اور یہی اس کا اجتماعی ادبی حسن ہے۔ علمائے بیان کی اصطلاح میں یہ نرالا اندازِ بیان "کنایہ بلیغ" کہلاتا ہے اور یہ کنائے کی نہایت نادر، نفیس اور اعلیٰ قسم ہے۔

خطبہ کا مرکزی حسن اس کی بلاغت میں پوشیدہ ہے۔ اُس لاثانی مُبلّغ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبانِ گوہر فشاں کا کیا کہنا جس پر ہزار جان سے جانِ بلاغت قربان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ سکوت بے محل تھا اور نہ ہی گفتگو بے موقع ہوتی تھی۔ آخر رمضان المبارک کے ورودِ مسعود کے موقع کے علاوہ اور کونسا موقع ایسے خطبہ کے پیش کیے جانے کے لیے موزوں ترین تھا۔ اس کا رازِ بلاغت ہی یہ ہے کہ اسے موقع و محل کے ساتھ کامل تطابق حاصل ہے۔

نحوی رُخ

خطبۂ مبارکہ کے بارہ جملوں کا سلسلہ وار نحوی تجزیہ درجِ ذیل ہے:

۱۔ یہ جملہ ندا اور جوابِ ندا سے مرکب ہے اور جملہ ندائیہ ہے۔

۲۔ یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہے۔ موصول و صلہ، مرکب جاری اور عددی پر مشتمل ہے۔ اس میں محذوفات بھی ہیں۔ ترکیبِ نحوی درجِ ذیل ہے:

- كَانَ ——— خبر
- فِيْهِ ——— متعلق خبر
- لَيْلَةٌ ——— موصوف
- اَلَّتِيْ ——— موصول
- هِيَ ——— ضمیر ——— مبتدا
- خَيْرٌ ——— خبر
- مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ ——— مرکب جاری وعددی ——— متعلق خبر

(هِيَ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ = صلہ؛ اَلَّتِيْ + صلہ = صفت؛ موصوف + صفت = مبتدا؛ پورا = جملہ اسمیہ خبریہ)

۳ — یہ جملہ معطوفہ ہے۔ جَعَلَ فعل متعدّی بہ دو مفعول ہے۔ دونوں جملوں میں فعل اور فاعل مشترک ہیں۔

۴ — یہ جملہ صلہ و موصول مرکبِ اضافی اور مرکباتِ جاری سے مرکب ہے۔

۵ — یہ جملہ بھی صلہ و موصول ۔ مرکباتِ جاری، اضافی اور عددی سے مل کر بنا ہے۔

۶ — جملہ معطوفہ ہے۔ اِس میں دو مرکبِ اضافی ہیں۔ اس چھٹے جملہ سے بارھویں جملہ تک تمام جملے (واوِ عطف) کے ساتھ مربوط ہیں۔ اِس ارتباط کو اگر قائم رکھا جائے تو سات جملوں سے مل کر ایک بہت بڑا جملہ معطوفہ بن جاتا ہے۔ بصورتِ دیگر ہر جملہ کی ترکیبِ نحوی الگ الگ ہے۔

۷ — بہت مختصر جملہ ہے۔ اِس کی ترکیبِ نحوی بھی آسان ہے اور درج ذیل ہے:

لفظ			
هُوَ	ضمیر واحد مذکر غائب (محذوف)	مبتدا	جملہ اسمیہ خبریہ
شَهْرُ	مضاف	خبر	
الْمُوَاسَاةِ	مضاف الیہ		

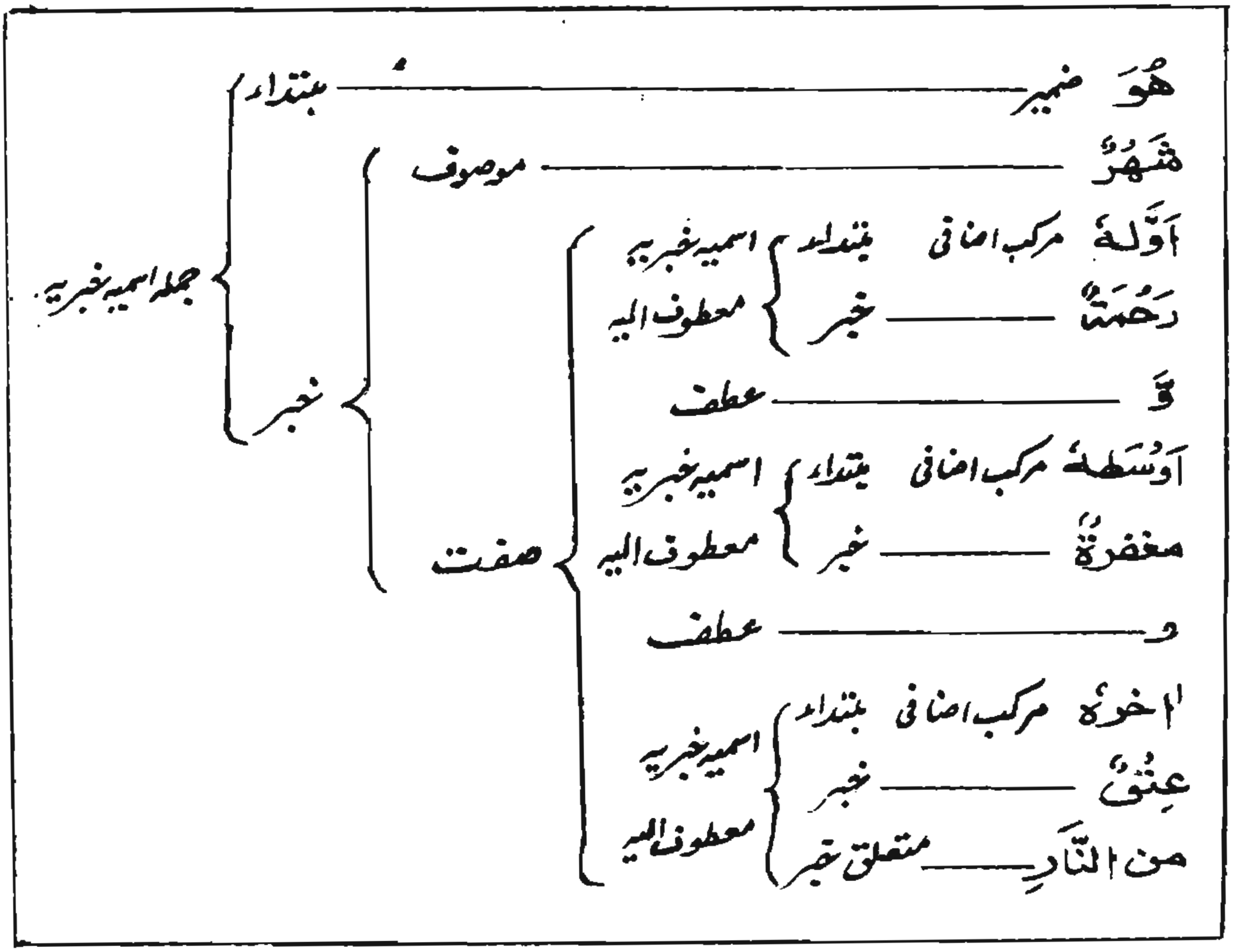
۸ — آٹھویں، نویں اور دسویں جملہ میں (شَهْرٌ) کا لفظ متواتر استعمال ہوا ہے اور موصوف ہے۔ بعد کے پورے جملے اِس موصوف کی صفت واقع ہوئے ہیں۔ صفت مفرد بھی ہوتی ہے اور مرکب بھی۔ اِس جملہ کی ترکیبِ نحوی نسبتاً مشکل ہے اور درج ذیل ہے:

لفظ					
هُوَ	مبتدا				جملہ اسمیہ خبریہ
شَهْرٌ	موصوف			خبر	
يُزَادُ	فعل مجہول		صفت		
رِزْقُ	مضاف	مفعول ما لم	فاعل		
الْمُؤْمِنِ	مضاف الیہ	یسم فاعلہٗ			
فِيْ	جار	متعلق فعل			
هِ	مجرور				

دیکھیے! ایک بڑا جملہ جب پھیلتا ہے تو فعل، فاعل، مفعول، متعلق فعل، مرکب توصیفی، مرکب اضافی، مرکب جاری وغیرہ سب کچھ بن جاتا ہے، مگر جب سمٹتا ہے تو صرف مبتدا اور خبر کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔

ع سمٹے تو دلِ عاشق پھیلے تو زمانہ ہے

۹۔ نویں جملہ کی ترکیب بھی دیکھیے۔ یہ جملہ بھی اوپر کے جملہ کی طرح سمٹ سمٹا کر صرف مبتدا، اور خبر کی شکل میں باقی رہ جاتا ہے۔ (هُوَ شَهْرٌ) آزاد و خود مختار جملہ ہے۔ بقیہ جملہ معطوفہ اس کا محکوم صفتی جملہ (ADJECTIVE CLAUSE) ہے۔



آخری تینوں جملوں میں صلہ و موصول مشترک ہیں۔ ان کی ترکیبِ نحوی بھی بآسانی کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح آیاتِ کریمہ کی ترکیب نحوی بھی کی جاسکتی ہے۔ مشکل منازل میں علمائے نحو ہمارے رہنما ہیں اور ہماری غلطیوں پر متنبہ کرنے والے ہیں۔

خطابی رُخ

قرآنِ کریم میں تخاطب کے انداز بھی نرالے اور نیرنگ ہیں۔ مثلاً خطابِ عام میں خطابِ خاص کی رنگینی ہے۔ اور خطابِ خاص میں عمومیت کی ادا ہے۔ کہیں خطابِ جمادات بطرزِ ذوی العقول ہے، کہیں خطابُ المدح ہے اور کہیں خطابُ الذم، کہیں خطابِ توہین و تمسخر ہے اور کہیں خطابِ کرامت و شرافت۔ قرآنِ کریم میں لفظِ "قُلْ" کے ساتھ جتنی باتیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہیں وہ سب اس اُمت کے لیے خطابِ تشریف و شرافت یعنی عزت افزائی کے خطاب ہیں۔ کیونکہ پروردگارِ عالم نے اس اُمت کے لیے لوگوں سے بلاواسطہ تخاطب فرمایا اور ان کو یہ شرفِ عظیم بخشا۔

اِسی طرح قرآن مجید میں کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "یَا مُحَمَّدُ" کہہ کر مخاطب نہیں کیا گیا بلکہ آپ کی تعظیم و تشریف کے لحاظ سے "یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ" اور "یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ" کے ساتھ آپؐ کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اِس سے مراد مومنین کو بھی تعلیم دینا ہے اور دیگر انبیاء کے مقابلہ میں آپ کی خصوصیت بھی ظاہر کرنا ہے۔ کہیں خطابِ تعجیز ہے اور کہیں خطابِ تحبّب۔ اِسی طرح واحد، تثنیہ اور جمع کے خطابات میں بھی لطافتیں اور ندرتیں پوشیدہ ہیں۔ یعنی واحد کے خطاب میں تثنیہ کی شان اور تثنیہ کے خطاب میں واحد کی شان نمایاں۔ تثنیہ کا خطاب جمع کا اور جمع کا خطاب تثنیہ کا آئینہ دار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ بھی خطابِ تحبّب (اظہارِ محبت کا خطاب) ہے آخر نوعِ انسانی کے مفاد اور اُس کی فلاح و بہبود کے سوا اِس خطبہ کی غرض و غایت اور کیا ہے۔ اور آپ سے بڑھ کر نوعِ انسانی سے محبت کرنے والا دوسرا انسان کون ہے۔ آیۂ کریمہ فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ ...... نوعِ انسانی کے ساتھ آپؐ کی بے پایاں محبت پر حجت ہے۔ خدا تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف اِس طرح بیان فرماتا ہے:

عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ ، حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ ، بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ

(القرآن)

یہ محب کی جانب سے محبوب کی لاثانی نعت شریں ہے۔ اِس سے بھی بنی نوعِ انسان کی محبت ہی پر استدلال ہے۔

موعظتی رُخ

خطبۂ مبارکہ کا موعظتی رُخ بھی نہایت اہم ہے۔ اِس سے جو سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ گلفشانِ گفتار بہارِ حیات نہیں ہے۔ بازوئے تیغ زن بہارِ حیات ہے اور سُرخروئی اسی کا حصّہ ہے۔ سر کا مقصود ہی راہِ حق میں قربان ہونا ہے، جس سر میں ذوقِ سرفروشی نہیں وہ باردوش ہے۔ اسلام عیش کوشی اور لذت یابی کا نام نہیں ہے۔ جانگدازی، جانفشانی، قربانی، جدوجہد اور جہاد کا نام اسلام ہے۔ رمضان المبارک پورے جوش و خروش کے ساتھ یہی پیغامِ عام دیتا ہے۔

ے یہ شہادت گہہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مُسلماں ہونا

الغرض خطبۂ گرامی ادبی محاسن کے خوش رنگ اور نیرنگ پھولوں کا ایک بے نظیر گلدستہ ہے، جس میں استعارہ، تشبیہاتِ بلیغ، کنایۂ بلیغ، بلاغت، موزونیت اور ایجازِ قصر کے گھلے معطر عطر فشاں ہیں۔ جہانِ قرآن ہو یا جہانِ احادیث دونوں انوار ہی انوار اور تعطر ہی تعطر ہیں۔ ان کے سامنے نہ کوئی جلوہ زار ٹھہر سکتا ہے اور نہ گلستانِ عالم ٹھہر سکتے ہیں۔ اُمتِ مُسلمہ کا فرض ہے کہ وہ ان دونوں جہانوں کے انوار و تجلیات اور تعطر و نکہت کو کائنات کے گوشہ گوشہ میں پھیلائے۔

مولانا گلشیر شہید

جو مجلسِ احرار کے ممتاز رہنما تھے، ان کی سوانح حیات ترتیب دی جارہی ہے۔ جن اصحاب کے پاس اس سلسلے میں کوئی یادداشت، تحریر، خط یا واقعاتی مواد موجود ہو جلد ارسال کریں۔

ناظم گلشیر اکیڈمی - فاروق دواخانہ مین بازار تلہ گنگ ضلع چکوال

جہادِ افغانستان - عالمی اور پاکستانی تناظر میں

جناب حافظ محمد ادریس صاحب

افغانستان ہمارا ہمسایہ اور برادر ملک ہے۔ ان دونوں خطوں کے آپس میں معاشرتی و معاشی تعلقات اتنے ہی قدیم ہیں جتنی یہاں کی انسانی آبادی کی تاریخ ۔ سرحد کے دونوں طرف بسنے والے لوگوں میں خاندانی رشتہ داریاں، دوستیاں اور دشمنیاں، باہمی لین دین اور روابط بہت قدیم ہیں ۔ پاکستان اور افغانستان کا سب سے مضبوط رشتہ دینی اخوت ہے ۔ اسلام نے ان دونوں ملکوں کے باشندوں کو ایک اُمت کے افراد بنا دیا ہے بعض " دانش ور " اور سیاسی مہم جو عناصر اس اصول کو تسلیم نہیں کرتے تھے کہ دونوں قومیں اسلام کی وجہ سے مربوط ہیں ۔ ان کا نقطۂ نظر سیکولرازم کی بنیاد پر یہ تھا کہ سرحد کے دونوں جانب بسنے والے چونکہ پختون ہیں اس لیے قدرِ مشترک پشتو زبان اور پختون نسل ہے ۔ اس نظریے کے علمبردار وہی روایتی عناصر تھے جو متحدہ ہندوستان میں کانگریس کے ہم نوا رہے تھے ۔ ان کے نزدیک دو قومی نظریہ ہی غلط تھا، اس لیے ہندوستان کی تقسیم بھی غلط قرار پائی وہ اکھنڈ بھارت کے قائل تھے ۔ سرخ پوش لیڈر عبدالغفار خاں اور ان کے بڑے بھائی ڈاکٹر خاں صاحب صوبہ سرحد میں اس گروہ کے سرخیل تھے ۔

یہ موضوع کہ دو قومی نظریہ درست تھا یا اکھنڈ بھارت کا تصور ٹھیک تھا ۔ اب طے شدہ مسئلہ ہے ۔ علمی بنیادوں پر اس مسئلے کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ نے

قیامِ پاکستان سے قبل "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ اوّل و دوم" میں بالکل حل کر دیا تھا - یہ مضامین اب "تحریکِ آزادیٔ ہند اور مسلمان" نامی کتاب میں طبع ہو چکے ہیں - اکھنڈ بھارت کے حامی دلائل کی جنگ بُری طرح ہار گئے تھے - اب اِس مسئلے پر مزید کچھ کہنے سُننے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ جو حق کے متلاشی ہیں اُن پر حق واضح ہو چکا ہے اور جنہیں سچائی سے چڑ ہے ان کے سامنے حقائق کا اعادہ و تکرار لاحاصل ہے -

قومیّت یا بُت پرستی ولی خاں اور اُن کے ساتھی زبانی دعوٰی تو پختونستان اور پٹھان دوستی کا کرتے تھے مگر جب سرحد کے اس پار سے ملّتِ افغانستان غیر مُلکی حملے کے نتیجے میں بے گھر ہو کر پاکستان آنے پر مجبور ہوئی تو پختونوں کے یہ ہمدردِ پختونوں ہی کے خلاف زہر اُگلتے رہے ان عقل کے اندھوں کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ ان کی بنیاد ہی قوم پرستی کے بُت پر قائم تھی - اب اس کی جگہ انہوں نے رُوسی کمیونزم کا بُت پُوجنا شروع کر دیا - بُت پرست بت پرستی کی نئی نئی صورتیں نکالتے رہتے ہیں -

روسی ایجنٹ پختونستان کا شوشہ بھارت، رُوس اور دیگر اسلام دشمن قوتوں نے چھوڑا تھا - افغانستان میں چونکہ روس کے پٹھو حکمران تھے جو بھارت نواز بھی تھے اس لیے وہ اس علیحدگی پسندی کی تحریک کے سرپرست بنا دیے گئے جو وقتاً فوقتاً اشتعال انگیزی کے مظاہرے کرتے رہتے تھے - قیامِ پاکستان کے بعد سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خاں نے پاکستان کو تسلیم نہیں کیا تھا - ان کا سرحدی گاندھی کا لقب جس پر ہمیشہ وہ مسرت و پسندیدگی کا اظہار کرتے رہتے تھے - ان کے تعارف کے لیے کافی تھا - ان کے بھائی ڈاکٹر خان بھی انہی کی فکر کے حامل تھے مگر میکیاولی کے اُصول پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے مغربی پاکستان کی وزارتِ علیا قبول کر کے کم از کم ظاہری طور پر پاکستان کو تسلیم کر لیا تھا -

قیامِ پاکستان پر دُنیا بھر کے حریت پسندوں اور خصوصاً مسلمان ممالک نے زبردست خوشیاں منائیں مگر کابل حکومت کا ردّ عمل مختلف تھا - نوزائیدہ مملکت پاکستان نے اقوام متحدہ کی رکنیت کے لیے درخواست دی تو رُوس کے اشارے پر حکومتِ افغانستان نے اس کی مخالفت کی - پاکستان کی پوری تاریخ میں کابل انتظامیہ پاکستان کے خلاف ہمیشہ

زہر اُگلتی رہی۔ سرحدی گاندھی اور ان کے پیروکاروں کی کابل اور دہلی سے خصوصی وابستگی تھی۔ بعد میں یہ وابستگی ماسکو سے ان کا ناطہ جوڑنے کا سبب بنی اور کئی مرحلوں پر خان ولی خان ماسکو کے نزدیک ہندوستانی اور افغانی کمیونسٹوں سے بھی زیادہ قابلِ اعتماد اور ثقہ قرار پائے۔

قیامِ پاکستان کے بعد افغانستان پر زیادہ عرصہ ظاہر شاہ کی شخصی حکومت رہی، جس کا تختہ اس کے اپنے قریبی رشتہ دار اور وزیرِ اعظم سردار داؤد نے رُوس کی اشیرباد سے اُلٹا۔ سردار داؤد نے اپنی حکومت کے آخری سال اسلامی ملکوں کا دورہ کیا، جس سے روس ناخوش ہوا۔ سردار داؤد کا تختہ ۱۹۷۶ء میں اُلٹا گیا اور یوں یکے بعد دیگرے نور محمد ترکئی، حفیظ اللہ امین، ببرک کارمل اور نجیب اللہ برسرِ اقتدار آئے۔ یہ سارا کھیل بالکل کٹھ پتلیوں کا تماشا معلوم ہوتا ہے۔

جہاد کا آغاز کمیونسٹوں نے روس سے تربیت حاصل کر کے اسلامی افغانستان کی روایات کے علی الرغم اسے کمیونزم اور لادینیت کے رنگ میں رنگنے کی کوششیں کیں تو اسلامیانِ افغانستان نے اس کی سخت مزاحمت کی۔ ان کی مزاحمت کو شروع میں نہ تو مخالفوں نے زیادہ اہمیت دی اور نہ ان مزاحمین کو خود یہ اندازہ تھا کہ چند سالوں میں تاریخِ انسانی کا معجزہ نما کارنامہ ان کے ہاتھوں انجام پانے والا ہے۔ یہ پُرعزم لوگ اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے جذبہ سے مالا مال اور شوقِ شہادت سے سرشار تھے مگر نتائج کے بارے میں وہ زیادہ فکرمند نہ تھے۔ ان کے لیے یہی تصور کافی تھا کہ ان کی جدّوجہد راہِ حق میں ہے اور ان کا اجر اللہ کے ذمے ہے جو نیکی کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا۔

تاریخ کے گزرے ہوئے سالوں پر نظر ڈالیں تو یادوں کے دریچے کھل جاتے ہیں اور دلرُبا مناظر قلب و نظر کو منوّر کر دیتے ہیں۔ جہاد کا آغاز کرنے والے جامعہ کابل کے طلبہ و اساتذہ اور جامعہ اور اس کے کالجوں سے فارغ ہونے والے بعض نوجوان اور صحافی تھے۔ انہوں نے بے سروسامانی کے عالم میں جہاد کا پرچم بلند کیا اور دُنیا نے دیکھا

کہ یہ نہتے لوگ اِس دَور کی سب سے طاقت ور اور سب سے زیادہ درندہ صفت فوج کو شکست فاش دینے میں کامیاب ہوئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ افغان مجاہدین نے پورے عالمِ اسلام کی لاج رکھ لی ہے اور اپنے اسلاف کی درخشندہ تاریخ کو زندہ کر دیا ہے۔

جہاد مرحلہ بہ مرحلہ جہادِ افغانستان مختلف مرحلوں سے گزرتا رہا ہے۔ اِس میں جتنے اُتار چڑھاؤ آئے وہ سب تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ دُنیا بھر کے ممالک نے کچھ عرصہ تو اس جنگ کو تماشائی کی حیثیت سے دیکھا۔ پھر اس کی جانب سطحی سی توجہ کی اور جب یہ نظر آیا کہ جن لوگوں کو ابلاغِ عامہ نے "باغی" قرار دیا تھا وہ اپنے وطن کا دفاع کرتے میں خاصے سنجیدہ ہیں تو ان کی رپورٹیں عالمی میڈیا میں آنے لگیں۔ آہستہ آہستہ "باغی" کے بجائے یہ لوگ "مجاہدین" کہلانے لگے جو حقیقت میں ان کی اصل پہچان اور شناخت ہے۔

اقوامِ متحدہ میں یہ مسئلہ جب بھی اٹھا اس کی حمایت میں عالمی برادری نے بھرپور انداز میں آواز اٹھائی۔ ہر نئی رائے شماری میں مجاہدین کے حق میں ووٹوں کا اضافہ ہی ہوا۔ رُوس خائب و خاسر ہو کر رہ گیا۔ عالمی رائے عامہ نے ہر سطح اور ہر پلیٹ فارم پر رُوس کی پُر زور مذمت کی۔ امریکہ اور یورپ نے جہادِ افغانستان کی مدد اپنے مخصوص مقاصد کے لیے کی تھی، مگر مجاہدین نے جہاں کہیں سے انہیں تعاون ملا اُسے قبول کیا اور ہر مرحلے پر برملا اعلان بھی کرتے رہے کہ کسی امداد کے ساتھ وہ جہاد کے معاملے میں کسی قسم کی شرائط کو قبول نہیں کریں گے۔ یوں وہ ہر جانب سے امداد غیر مشروط طور پر قبول کرتے رہے۔ اس معاملے میں حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یہاں نقل کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

> حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ خیبر کی جنگ میں ایک شخص بڑی بہادری سے لڑا۔ حضور اکرمؐ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ دوزخی ہے۔ صحابہؓ کو اس پر تعجب ہوا۔ اُس شخص نے زخموں کی تاب نہ لا کر خودکشی کر لی تو صحابہؓ حضورؐ کے پاس آئے اور اس واقعہ کی اطلاع دی۔ (یہ شخص دراصل

مومن نہیں تھا مگر عصبیت کی وجہ سے لڑ رہا تھا) - آپؐ نے اس موقع پر حضرت بلالؓ سے فرمایا " بلال اُٹھو اور اذان دو - جنت میں تو صرف مومن ہی جا سکتا ہے - البتہ خداوند کریم اس دین کی تائید (بسا اوقات) کسی فاجر شخص سے بھی کرا دیتا ہے "۔ (صحیح بخاری)

پاکستان کا رول اور پیپلز پارٹی

پاکستان نے جہادِ افغانستان میں ہر طرح سے دل کھول کر مدد کی - پاکستان کی عام آبادی نے بحیثیت مجموعی مجاہدین کے ساتھ نہ صرف اظہارِ ہمدردی کیا بلکہ مالی اور اخلاقی ہر طرح کا تعاون بھی کیا - مہاجرین کے قافلے جب بھی سرحد سے اِس پار آئے انہوں نے اپنے آپ کو انصار کے درمیان پایا۔ ملک میں جہادِ افغانستان اور آغازِ ہجرت کے وقت پیپلز پارٹی کی حکومت تھی - پیپلز پارٹی یوں تو ہر اسلامی قوت کے خلاف ہمیشہ نبرد آزما رہی ہے مگر قدرت نے اس مخالفِ دین پارٹی سے بھی اس معاملے میں کچھ کام لے لیا - یہاں یہ معاملہ واضح رہے کہ پیپلز پارٹی کی اس حمایت کی وجہ خالصتاً سیاسی تھی - افغانستان کے دوست اور ایجنٹ عبدالولی خاں کی نیپ سے پیپلز پارٹی کا شدید سیاسی تصادم ہو چکا تھا جس کے نتیجے میں نیپ پر پابندی لگ گئی تھی - اور اس کے اکثر لیڈر جیلوں میں بند تھے جب کہ اجمل خٹک جیسے بعض رُوسی گماشتے اور پختونستان کے پرچارک بھاگ کر کابل جا چکے تھے - یوں افغانستان سے مہاجرین کی آمد اور افغانستان کے اندر بے چینی کو پیپلز پارٹی اپنے سیاسی مقاصد کی عینک سے دیکھتی تھی - انہی دنوں ۱۹۷۳ء میں ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے چترال میں ایک جلسے سے خطاب کے دوران سردار داؤد کو بُرا بھلا کہتے ہوئے کہا تھا کہ اگر پختونستان کا سٹنٹ چھوڑ نہ دیا گیا تو افغانستان میں بھی اس کی بازگشت سُنی جائے گی -

بھٹو حکومت کا تختہ اُلٹنے کے بعد جب جنرل ضیاء الحق صدر بنے تو انہوں نے جہادِ افغانستان کی کھُل کر حمایت کی - اِس حمایت کی وجہ سے پاکستان کو رُوس نے بے پناہ دھمکیاں دیں - رُوسی ایجنٹوں نے مُلک بھر میں بموں کے دھماکوں اور دہشت ناک تخریب کاری کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا - رُوسی بمبار طیارے آئے دن پاکستانی فضائی حدود کی

خلاف ورزیاں کر کے پاکستانی شہریوں اور دیہاتیوں پر بم برساتے رہے۔ اِن ساری ظالمانہ کارروائیوں کے نتیجے میں بے شمار معصوم شہری، بوڑھے، جوان، عورتیں اور بچے شہید ہوئے۔ روس اور اس کے ایجنٹوں کی ان کارگزاریوں کے باوجود نہ تو مجاہدین کے حوصلے پست ہوئے، نہ پاکستان کے غیور عوام نے گھٹنے ٹیکے۔ صدر ضیاء الحق کی سربراہی میں حکومتِ پاکستان کا موقف بھی جہادِ افغانستان کے حوالے سے بہت مضبوط اور قابلِ داد رہا۔ حکومتِ پاکستان نے افغان مجاہدین کی اخلاقی و مادی امداد کے علاوہ سیاسی محاذ پر بھی خاصی سرگرمی دکھائی۔ اسلامی کانفرنس، اقوامِ متحدہ اور دیگر عالمی پلیٹ فارموں پر پاکستانی نمائندوں نے افغانستان کے مسئلے کو اپنا مسئلہ سمجھ کر ہمیشہ بہترین نمائندگی کی۔ یہ طرزِ عمل پاکستانی قوم کی روایات کے علاوہ اس کی تازہ ترین امنگوں کے عین مطابق تھا۔ اس سلسلے میں یہ امر بھی ریکارڈ پر آجانا چاہیے کہ جہاں پاکستان نے افغان مجاہدین کے حق میں موثر آواز اٹھا کر ان کا دل موہ لیا تھا وہاں جنیوا کانفرنس اور معاہدہ جنیوا کے حوالے سے حکومت پاکستان عالمی طاقتوں کے دباؤ کے سامنے جھک گئی تھی اور مجاہدین کے موقف کے علی الرغم اس میں شامل ہو کر ان شرائط پر معاہدہ کر لیا جو بہت خوش آئند نہ تھیں۔ اس کی تفصیلات ایک الگ مضمون کا موضوع ہیں، جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

جماعتِ اسلامی کا کردار جہادِ افغانستان کے ساتھ جماعتِ اسلامی کا بہت گہرا اور قریبی تعلق ہے۔ یہ جہاد شروع کرنے والے تمام مجاہدین مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی فکر سے بے حد متاثر تھے۔ انھوں نے باقاعدہ جہاد شروع کرنے سے پہلے مولانا مودودیؒ کی خدمت میں ایک وفد بھی بھیجا تھا۔ مولانا نے ان لوگوں کو بہت اہم اور مفید مشورے اور ہدایات دی تھیں۔ جماعتِ اسلامی کی طرف سے مجاہدین کے ساتھ مستقل رابطے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جماعت کے موجودہ امیر قاضی حسین احمد صاحب (جو اس دور میں پشاور جماعت اور پھر صوبہ سرحد جماعت کے امیر رہے تھے) جماعت کی قیادت اور مجاہدین کے درمیان ہمزۂ وصل تھے۔ قاضی صاحب بارہا افغانستان کے اندر گئے اور مجاہدین کی ہائی کمان کے فیصلہ کن اجلاسوں میں شرکت کی۔

افغانستان سے ہجرت کرنے والے سب سے پہلے رہنما پروفیسر برہان الدین ربانی ہجرت کرکے پشاور آئے تو قاضی حسین احمد صاحب کو ان کی مہمان نوازی کا شرف حاصل ہوا۔ مشہور کمانڈر اور وادیٔ پنج شہر کے بہادر مجاہد احمد شاہ مسعود بھی کچھ عرصہ پشاور میں قاضی حسین صاحب کے گھر پر مہمان رہے تھے۔ گلبدین حکمت یار اور پروفیسر سیاف صاحب سے بھی قاضی صاحب کا مستقل اور مسلسل رابطہ تھا۔ جماعت نے اس جہاد کو پوری ملتِ اسلامیہ کی جنگ سمجھا اور اپنی طاقت وحیثیت کے مطابق اس میں حصہ لیا۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ بعض مراحل میں جماعت نے اللہ کے بھروسے پر اپنی طاقت سے بڑھ کر خطرات کو انگیز کیا اور اللہ نے ہماری کمزوریوں کے باوجود مجاہدین سے ہمارے تعلق کی لاج رکھتے ہوئے ہمیں کامیابی سے ہم کنار کیا۔

جماعت نے مہاجرین کے کیمپوں میں جہاں تک ہوسکا ان کی خدمت کی۔ ہسپتال اور ڈسپنسریاں قائم کیں، بیرونی ممالک میں جہاد کے حق میں فضا ہموار کرنے کے لیے وفود بھیجے، ملک کے اندر مخالفانہ پروپیگنڈے اور انڈین روسی لابی کا دندان شکن جواب دیا۔ حسبِ ضرورت مذاکرات اور نمائشوں کے ساتھ ساتھ مظاہرے، جلوس اور افغان مجاہدین سے یک جہتی کی دیگر کاوشیں جاری رکھیں۔ ابلاغِ عامہ میں اعصابی جنگ زورشور سے جاری تھی۔ آغازِ جہاد میں دشمن عناصر کا پلڑا بھاری تھا، مگر بعد میں جہاد دوست قوتیں غالب آئیں۔ ہم اپنے صحافی بھائیوں اور بہنوں اور اہلِ قلم دانشوروں اور ادیبوں کو بھی خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے ہماری دعوت پر بہ نفسِ نفیس میدانِ جہاد کا مشاہدہ کیا اور واپس آکر بڑے ایمان افروز مضامین، اداریے اور کالم لکھے۔ یہ سارا کچھ اب ہماری ملّی تاریخ کا زرین باب بن چکا ہے۔

پیپلز پارٹی کے بہروپ

ضیا دَور میں پیپلز پارٹی شروع میں جہادِ افغانستان کے خلاف تندوتیز اور زہرآلود پروپیگنڈہ کرتی تھی۔ اس جنگ کو رُوس اور امریکہ کی جنگ قرار دیا گیا۔ نصرت بھٹو اور آفتاب شیرپاؤ نے مجاہدین کو لٹیرے اور مہاجرین کو بھگوڑے قرار دیا۔ بے نظیر نے مہاجرین کو منشیات کے سمگلر اور پاکستانی معیشت پر ناروا بوجھ گردانا۔

پیپلز پارٹی کے ہر چھوٹے بڑے لیڈر نے مجاہدین کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کٹھ پتلی افغان حکومت کو افغانستان کے عوام کی حقیقی نمائندہ اور ترجمان قرار دے کر پاکستانی حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ افغان حکومت کو تسلیم کیا جائے اور "باغیوں" کی مدد سے ہاتھ اٹھا لیا جائے۔ اس معاملے میں پیپلز پارٹی کے ایک لیڈر نصیر اللہ بابر استثنا کی حیثیت رکھتے ہیں کہ جنہوں نے افغان جہاد کی حمایت میں چند ایک بیانات اس دور میں بھی دیئے تھے جب پارٹی کی ہائی کمان جہاد کی مخالفت کر رہی تھی۔

پیپلز پارٹی کی قیادت نے اپنے رویے پر نظر ثانی اس وقت کی جب کہ بے نظیر صاحبہ امریکی اصحاب اقتدار سے مل کر واپس لوٹیں۔ اب ان کا موقف پہلے سے مختلف تھا۔ جہاد کے بارے میں یہ نرم گوشہ مجاہدین سے محبت کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ امریکہ بہادر کی خوشنودی اس کا سبب تھی۔ یہ مضمون اختصار کا متقاضی ہے مگر اس موضوع پر کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ اخبارات کے فائل گواہی دیں گے کہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور متضاد یہ دو طرزِ عمل پیپلز پارٹی کی اندرونی سوچ کے بجائے کسی اور بات کی غمازی کرتے ہیں۔ اب یہ پارٹی جہاد کا کریڈٹ لینے کے لیے کوشاں ہے۔ بے نظیر صاحبہ ہر معاملے میں امریکہ کی جانب دیکھتی ہیں۔ افغانستان کی عبوری حکومت کی تشکیل کے وقت پاکستان کے لیے سنہری موقع تھا کہ اُسے سب سے پہلے تسلیم کر کے سبقت حاصل کر لیتا مگر ایسا نہ ہو سکا۔ اس کی وجوہات بھی کوئی راز نہیں۔ مغربی قوتوں کی طرح پیپلز پارٹی بھی افغانستان میں اسلامی حکومت سے خائف ہے۔ یہ مترصدین ہوا کا رنگ دیکھ رہے ہیں۔ ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ ظاہر شاہ یا کوئی اور مہرہ تختِ کابل پر بٹھا دیا جائے مگر خالص اسلامی افغانستان سے نجات مل جائے۔ ان کی یہ آرزوئیں کبھی پوری نہیں ہو سکیں گی۔ تازہ ترین خبروں کے مطابق ظاہر شاہ نے افغانستان واپس آنے سے انکار کر دیا ہے۔

امریکی بھارتی اور یہودی لابی پیپلز پارٹی نے عالمی سطح پر امریکہ کی حاشیہ برداری اختیار کی ہے اور اس میں امریکی کانگریس کے یہودی رکن سٹیفن سولارز کا خاص عمل دخل ہے۔ علاقائی سیاست میں یہ پارٹی بھارت کی نہ صرف ہم نوا ہے بلکہ پارٹی کی لیڈر بے نظیر راجیو گاندھی سے

خاصی متاثر اور مرعوب بھی ہیں۔ یہودی لابی کے نمائندے سٹیفن سولارز کے بھارت کے ساتھ بھی خصوصی تعلقات ہیں۔ گذشتہ ماہ اس نے بنگلہ دیش کا دورہ کر کے جنرل ارشاد اور حزبِ اختلاف کی بیگمات، خالدہ ضیاء اور حسینہ واجد سے بھی خصوصی ملاقاتیں کی ہیں۔ اِن ملاقاتوں کے بعد ہی سے جماعتِ اسلامی بنگلہ دیش کے دفاتر پر حملوں میں شدت اور ان کے کارکنوں کے قتل وخون میں یک دم اضافہ ہو گیا ہے۔ بھارت بھی افغانستان میں مجاہدین کی حکومت کی برملا اور بار بار مخالفت کر چکا ہے۔ اس لیے پیپلز پارٹی افغان عبوری حکومت کو تسلیم کرنے میں پس وپیش کر رہی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر بے نظیر نے ۱۵ فروری مجاہدین کی بہادری اور جرأت کو خراجِ تحسین کیوں پیش کیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جہادِ افغانستان ایک کریڈٹ نوٹ ہے۔ پیپلز پارٹی اس سے ہاتھ دھونا بھی نہیں چاہتی، مگر اس کے اسلامی تشخص کی وجہ سے کھلے دل سے اسے تسلیم بھی نہیں کرنا چاہتی۔ اِسی کو گومگو کی کیفیت کہا جاتا ہے۔

اے این پی کا مخالفِ جہاد موقف جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے قابلِ مذمت بھی ہے اور قابلِ فہم بھی۔ وہ غوث بخش بزنجو کی طرح روس کے کھلے کھلے ایجنٹ ہیں، جس میں اب کسی کلام کی گنجائش نہیں۔ البتہ بعض دیگر پارٹیوں کا طرزِ عمل خاصا قابلِ افسوس رہا ہے۔ اِن میں سے اصغر خاں صاحب تو کابل انتظامیہ کی دعوت پر افغانستان یاترا کے لیے گئے بھی تھے اور انہیں وہاں کسی قسم کی جنگ کے کوئی آثار نظر نہ آئے تھے۔ ہم نے اس وقت بھی ان کی خدمت میں عرض کیا تھا۔

؎ گر بروز نہ بیند شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اصحابِ دستار و قبہ جن مخالفینِ جہاد عناصر کا اُوپر ذکر ہوا ہے وہ سب لادین سیاست کے قائل ہیں اس لیے ان کا موقف قابلِ فہم ہے مگر اس مُلک میں چند ایک اصحابِ جبہ و دستار بھی ایسے ہیں جنھوں نے جہاد کی مخالفت کر کے اپنا نام پیدا کیا ہے۔ "بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا"۔ شاہ احمد نورانی صاحب نے اِس جنگ کو جہاد ماننے سے انکار کیا اور فتوٰی صادر فرمایا۔ "یہ دو بڑی طاقتوں کی لڑائی ہے"۔

نورانی صاحب تو اس لڑائی کو دیکھنے کے بڑے متمنی تھے اور افغانستان سے انہیں دعوت نامہ بھی مل گیا تھا جسے قبول کر کے انہوں نے اصغر خاں صاحب کے نقشِ قدم پہ وہاں جانے کا اخباری اعلان بھی داغ دیا تھا۔ مگر ان کی جماعت کے غیرت مندانہ کان نے مجلس عاملہ کے اجلاس میں ان کی خبر لے ڈالی، جس کے نتیجے میں ان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ نورانی صاحب کے بارے میں تو ان کی اپنی جماعت کے لوگوں کی رائے یہ ہے کہ وہ غیر متوازن اور غیر سنجیدہ شخصیت ہیں۔ مگر تعجب تو شاہ فریدالحق پہ ہوتا ہے۔ انہوں نے بھی بعض ایسے بیانات دیئے کہ یقین نہیں آتا تھا۔ داورِ محشر کے ہاں تو ان باتوں کا حساب ہوگا ہی، یہاں دنیا کی زندگی میں بھی یہ الفاظ تاریخ میں گواہ بن کر زندہ رہیں گے۔ مستقبل کا مؤرخ ان "علما" کی حق شناسی کی "تعریف" کیے بغیر نہ رہ سکے گا۔

"کب تک پاکستان تیس لاکھ افغان مہاجرین کی مہمان نوازی غریب پاکستانیوں کا پیٹ کاٹ کر کرتا رہے گا جب کہ اسلام میں اس قسم کی مہمان نوازی کا کوئی اخلاقی اور قانونی جواز نہیں"

(شاہ فریدالحق۔ جنگ کراچی۔ ۳۰ اپریل ۱۹۸۵ء)

یہ تو مشتے نمونہ از خروارے ہے ورنہ اخبارات کے صفحات میں تو بہت کچھ ہے۔ شاہ صاحب کی مندرجہ بالا تشریح دیکھیے اور ان کی اسلام فہمی کی داد دیجیے۔

مردِ حق بین اس جماعت (جمعیت العلمائے پاکستان) کے دیگر مقتدر رہنما جہادِ افغانستان کی بھرپور تائید کرتے رہے ہیں۔ مجاہد عظیم حضرت مولانا عبدالستار خان نیازی کا غیر متزلزل اور جرأت مندانہ موقف ہمیشہ زندہ و پائندہ رہے گا۔ انہوں نے ہر جلسے اور جلوس میں جہادِ افغانستان کی کھل کر حمایت کی اور روس اور اس کے گماشتوں کو خوب لتاڑا۔

دیگر جماعتیں دیگر جماعتوں میں سے جمعیت العلمائے اسلام (درخواستی گروپ) نے اوّل روز سے جہاد کے حق میں کلمۂ خیر کہا اور ڈٹ کر جہاد کی حمایت کی۔ ان کی درخشندہ جدوجہد بلاشبہ قابلِ فخر ہے۔ فضل الرحمٰن گروپ ایم آر ڈی میں ہونے کے باوجود پی پی اور اے این پی سے جہادِ افغانستان کے مسئلے پہ اختلاف کر کے ہمیشہ جہاد کی حمایت کرتا رہا

ہے۔ مختصراً یہ کہ اس گروپ نے بھی پاکستانی اور اسلامی جذبات کی ترجمانی کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

نوابزادہ نصراللہ خاں فطری طور پر حزبِ اختلاف کا کردار ادا کیا کرتے ہیں اور حکومتوں کے خلاف سیاسی جدوجہد کے میدان میں ان کا اہم رول رہا ہے۔ گزشتہ گیارہ سال میں بھی انہوں نے یہ رول ادا کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ اگرچہ ان کی ان جہود کا فائدہ ایک فاشسٹ اور آمرانہ ذہنیت کی حامل پارٹی (پی پی) نے اٹھایا۔ اِس عرصے میں اپوزیشن کا کردار ادا کرنے کے باوجود افغانستان پر نوابزادہ صاحب کی فکر بالکل صاف اور ان کے فیصلے ازحد واضح رہے۔ انہوں نے مجاہدین کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز پر نفرین کی اور جہاد کے حق میں ہمیشہ کھل کر بات کی۔

مسلم لیگ میں اگرچہ کسی شخص نے کھل کر جہاد کی مخالفت تو نہیں کی تھی مگر ایک قلیل تعداد اس جہاد سے زیادہ خوش نہ تھی۔ پیر پگاڑا کے بعض بیانات جہاد کے خلاف ہوتے تھے جب کہ بعض بیانات میں وہ نیم دلانہ حمایت بھی کر دیتے تھے۔ ان کے علاوہ مسلم لیگ کی قیادت میں بعض لوگ تو محض حمایت کی حد تک جہاد کے ہم نوا تھے اور اکثر بڑی حمیت کے ساتھ مجاہدین کے مددگار اور مداح رہے۔ اہل حدیث تنظیموں کی اکثریت نے بھی جہاد کی غیر مشروط حمایت کی مگر اکا دکا افراد کبھی کبھار ایسی باتیں بھی کہتے رہے جو اس مکتبِ فکر کی شایانِ شان نہ تھیں، ان کا ریکارڈ بھی اخبارات و جرائد کے صفحات میں موجود ہے۔

اسلامی ممالک اسلامی ممالک میں سے مصر، سعودی عرب، کویت، خلیجی ریاستوں ملائشیا، سوڈان اور اُردن نے سیاسی، اخلاقی، مالی اور فوجی ہر طرح کی مدد کی۔ ترکی کا رویہ سیاسی اور حکومتی سطح پر قدرے معتدل رہا۔ مگر عوام نے جس گرم جوشی کے ساتھ جہاد کی حمایت کی اور ترک نوجوانوں نے جس جذبے کے ساتھ افغانستان میں جا کر دادِ شجاعت دی وہ ایمان افروز ہے۔ ایرانی حکومت نے بھی پاکستان کی طرح مہاجرین کا بوجھ اٹھایا اور عراق کے ساتھ اپنی جنگ کے باوجود اس معاملے میں اچھا رول ادا کیا، مگر جہاد کے

مختلف مراحل میں کافی اُتار چڑھاؤ آتے رہے - ایک مرحلے پر حزبِ اسلامی کو ایران میں اپنے تمام دفاتر ایرانی حکومت کے رویّے کی وجہ سے احتجاجاً بند کرنا پڑے - جب کہ جہاد کے آخری مرحلوں میں ایرانی حکومت نے ہزارہ قبائل کے مسئلے اور شیعہ نمائندگی کے سوال پر فرقہ وارانہ طرزِ عمل میں اتنی شدّت اختیار کر لی کہ اس سے خاصی بدمزگی پیدا ہوئی - ایران امریکہ سے شدید مخاصمت کی وجہ سے رُوس کو شیطانِ اکبر تصور نہیں کرتا - اس وجہ سے روس جس نفرت کا مستحق ہے اس کا اظہار ایران نے کم ہی کیا ہے - ایک بات کا اعتراف ضروری ہے کہ ایران کے جس اُتار چڑھاؤ کا اوپر ذکر ہوا ہے اس میں ایران کا کریڈٹ دو مواقع پر بالکل واضح نظر آتا ہے - ایک تو اسلام آباد میں وزرائے خارجہ کی کانفرنس کے موقع پر سابق ایرانی وزیر خارجہ صادق قطب زادہ مرحوم کا افغانی مجاہدین کے نمائندوں کو اپنے سرکاری وفد میں شامل کرنا اور دوسرا جنیوا کانفرنس میں امریکہ اور رُوس کی کوشش کے باوجود اس وجہ سے ایران کا شرکت نہ کرنا کہ معاملے کا اصل فریق تو مجاہدین ہیں - ان کی غیر موجودگی میں معاہدے کا کیا وزن ہوگا -

چین کا رول جہادِ افغانستان میں ہمارے عظیم ہمسایہ ملک چین کا رول بھی تاریخی ہے - چین نے غیر مشروط حمایت کر کے افغان مجاہدین ہی کے نہیں دنیا بھر کے مسلمانوں کے دل جیت لیے ہیں - چین نے مختلف مواقع پر جہاد کی جس غیر مشروط انداز میں حمایت کی اس سے مجاہدین کو خاصی تقویت ملتی رہی ہے -

افغان جہاد کے متعلق پاکستانی قوم کے مختلف طبقات کے طرزِ عمل اور عالمی اسلامی برادری کی کاوشوں کی ہلکی سی جھلک ان سطور میں پیش کی گئی ہے - مجاہدین کی عبوری حکومت بن چکی ہے جو انشاء اللہ بہت جلد جلال آباد اور پھر کابل میں قائم ہو جائے گی - اس موضوع پر گذشتہ سالوں میں سینکڑوں کتابیں اور ہزاروں مضامین شائع ہو چکے ہیں - بہت کچھ مزید لکھا جائے گا - یہ موضوع اس وقت پوری دُنیا کی توجہات کا مرکز ہے - آج افغان مجاہد اقبال کے الفاظ میں یوں مجسم بن کر سامنے آتا ہے -

(باقی بر صفحہ ۹۴)

قاضی عیاض

جناب عبد الرشید عراقی صاحب

قاضی عیاض کا شمار مذہبِ مالکی کے اکابر علماء میں ہوتا ہے۔ آپ علومِ قرآن اور فقہ و خلاف میں ممتاز تھے۔ علمِ تفسیر اور اس کے متعلقہ علوم و فنون کے عالم، مبصر اور احکام و شرائع کے بڑے واقف کار تھے[1] آپ صرف دینی علوم میں ہی ممتاز اور فائق نہ تھے، بلکہ علمِ نحو، لغت، انساب اور علمِ کلام کے بھی نامور عالم تھے[2] علمِ حدیث سے ان کو خاص شغف اور خاص اشتغال تھا اور اس فن میں مکمل مہارت رکھتے تھے۔

علامہ ابن خلکانؒ لکھتے ہیں کہ:

"حدیث اور علومِ حدیث میں یکتائے روزگار اور امامِ وقت تھے، اور حدیثوں کے ضبط و تحریر اور جمع کتابت پر پوری توجہ مبذول کرتے تھے۔ اس لیے ان کے پاس روایات واحادیث کا وسیع ذخیرہ تھا۔"[3]

قاضی عیاض شعر و سخن کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے اور اس کے ساتھ بہت فصیح اللسان خطیب تھے[4]

---

[1] دیباج المذہب ص ۱۶۹، تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۰۰۔

[2] تاریخ ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۱۶۔

[3] ایضاً۔

[4] الدیباج المذہب ص ۱۶۹۔

قاضی عیاض کے حفظ و ضبط، ذکاوت و ذہانت اور فضل و کمال اور تبحر علمی کا ارباب سیر نے اعتراف کیا ہے۔ ان کی غیر معمولی فطانت و ذہانت کا یہ حال تھا کہ ۳۵ سال کی عمر میں قاضی بنا دیئے گئے[1]۔ علامہ ابن خلکانؒ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض محکمہ قضاء کے فرائض نہایت خوش اسلوبی اور ذمہ داری سے انجام دیتے تھے۔ اور عدل و انصاف سے سرمو انحراف نہیں کرتے تھے[2]

قاضی عیاض اپنے اوصاف و کمالات کی وجہ سے بہت مقبول تھے اور ان کی شہرت عظیم تھی۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ:

"خود اپنے شہر میں جو بلند مرتبہ، غیر معمولی عظمت اور عظیم الشان وقار ان کو حاصل ہوا، وہ یہاں کے کسی اور شخص کو نہ اس سے پہلے حاصل ہوا، اور نہ ان کے بعد ہوا"[3]

قاضی عیاض ۴۷۶ھ میں پیدا ہوئے، اُن کی جائے ولادت مغرب کا شہر سبتہ ہے۔ اس کے تعلق سے ارباب سیر نے آپ کو سبتی میں لکھا ہے[4]۔ آپ نے ہوش سنبھالا تو وقت کے اساطین فن سے آپ نے اکتساب فیض کیا۔ حافظ ذہبی نے آپ کے اساتذہ کی مکمل فہرست تذکرۃ الحفاظ میں درج کی ہے[5]۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست بھی خاصی طویل ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے آپ کے تلامذہ کی فہرست بھی تذکرۃ الحفاظ میں درج کی ہے[6]۔ قاضی عیاض نے اپنے وطن کے علمائے کرام کے علاوہ قرطبہ کے علمائے کرام سے بھی استفادہ کیا۔ اور ۵۰۷ھ میں آپ نے قرطبہ کا سفر کیا تھا[7]۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۰۰۔

[2] تاریخ ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۱۷۔

[3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۰۰۔

[4] الدیباج المذہب ص ۱۶۸۔

[5] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۹۹۔

[6] ایضاً " ص ۱۰۱۔

[7] ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۰۷۔ بستان المحدثین ص ۱۳۱۔

قاضی عیاض کا شمار مذہبِ مالکی کے اکابرین میں ہوتا تھا۔ اس کے اصول و فروع پر ان کی گہری نظر تھی۔ اور اس مذہب کے جزئیات کے محافظ تھے[1] قاضی صاحب اخلاق و عادات میں سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ لوگوں سے بہت اچھا سلوک کرتے تھے۔ اور بہت صدقہ و خیرات کرنے والے تھے۔ اور اس کے ساتھ ان پر خوفِ الٰہی اس قدر غالب تھا کہ قضا کے معاملات میں کبھی ناانصافی نہیں کرتے تھے۔ اور نہ اپنے اور پرائے کے معاملہ میں انصاف اور حق پسندی سے دامن کش ہوتے۔ اور اسی طرح نہایت متقی، زاہد، عبادت گذار، صحیح العقیدہ اور بدعات سے سخت متنفر رہتے[2]۔

قاضی عیاض آخری عمر میں الموحدین کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ تحریک الموحدین کے بانی محمد بن تومرت تھے۔ جو بہت لائق اور عالم و فاضل تھے۔ امام غزالیؒ کے شاگرد تھے۔ ۵۱۵ھ میں انہوں نے مہدویت کا اعلان کیا۔ ۵۲۰ھ میں انہوں نے وفات پائی۔ الموحدین نے اندلس میں مرابطین کی حکومت ختم کر کے اپنی سلطنت قائم کی تھی۔ ۶۲۰ھ تک الموحدین کی حکومت اندلس پر رہی۔ ۵۴۳ھ میں قاضی عیاض تحریک الموحدین میں شامل ہوئے۔ اور اس کے بعد آپ مراکش چلے گئے۔ یہاں آپ نے قمری حساب سے ۶۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔

تصنیفات قاضی عیاض صاحبِ کمال اور نامور مصنف تھے۔ ان کی جملہ تصنیفات ہر اعتبار سے بلند پایہ اور علم و فن کے ذخیرہ میں بیش قیمت خیال کی جاتی ہیں۔ قاضی صاحب کی شہرت کا ایک ذریعہ ان کی تصنیفات بھی ہیں[3] مؤرخین نے قاضی عیاض کی تصنیفات کو مفید، معلومات افزاء اور طرزِ تحریر و انداز بیان کے لحاظ سے دلکش بتایا ہے۔

علامہ احمد ابن خلکان (م ۶۸۱ھ) نے اپنی تاریخ وفیات الاعیان، حافظ شمس الدین ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے تذکرۃ الحفاظ میں، علامہ ابن فرحون مالکی (م ۷۹۹ھ) نے الدیباج المذہب میں،

[1] الدیباج المذہب ص ۱۷۰
[2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۰۰
[3] الدیباج المذہب ص ۱۷۱، ۱۷۲
[4] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۰۰

حاجی خلیفہ بن مصطفیٰ (م ۱۰۶۷ھ) نے کشف الظنون میں، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) نے بستان المحدثین میں، اور محی السنۃ امیر الملک مولانا سید نواب صدیق حسن خان قنوجی رئیس بھوپال (م ۱۳۰۷ھ) نے اتحاف النبلاء میں قاضی عیاض کی تصنیفات کی فہرست درج کی ہے۔ یہاں صرف ناموں پہ اکتفا کیا جاتا ہے۔ اگر ان کا مفصل تعارف پیش کیا جائے تو مقالہ کے طویل ہونے کا خوف ہے۔

۱۔ کتاب اجوبۃ القرطبیین۔
۲۔ کتاب الاجوبۃ المحبرۃ علی الاسئلۃ المتنخیرہ یا عن الاسئلۃ المحیرۃ،
۳۔ کتاب الاعلام بحدود قواعد الاسلام یا اعلام فی حدود الاحکام۔
۴۔ کتاب سر السراۃ فی ادب القضاۃ۔
۵۔ کتاب العقیدہ ۶۔ کتاب العیون الستۃ فی اخبار السبتۃ۔
۷۔ کتاب مسئلۃ الاہل المشروط بینہم التزاور۔
۸۔ مطامح الافہام فی شرح الاحکام۔ ۹۔ معجم شیوخ ابی علی الصدفی
۱۰۔ المقاصد الحسان فیما یلزم الانسان۔
۱۱۔ کتاب نظم البرہان علی صحۃ یا حجۃ جزم الاذان۔
۱۲۔ کتاب اجوبۃ عما نزل فی ایام قضا من نوازل الاحکام (زمانہ عہدہ قضا میں حوادث و مسائل کے بارہ میں استفسارات کے جوابات اور فیصلے)۔
۱۳۔ کتاب الالماع فی ضبط الروایہ وتقیید السماع (اصول حدیث سے متعلق)
۱۴۔ کتاب بغیۃ الرائد لما تضمنہ حدیث ام زرع من الفوائد (حدیث ام زرع کی مبسوط شرح)
۱۵۔ کتاب ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفۃ اعلام مذہب مالک یا کتاب ترتیب المدارک وتقریب المسالک فی ذکر فقہاء مذہب مالک (مذہب مالکی کے مشاہیر کا تذکرہ)
۱۶۔ کتاب التنبیہات المستنبطۃ علی الکتب المدونۃ یا المستنبط فی شرح کلمات مشکلۃ والفاظ مغلقۃ مما اشتملت علیہ الکتب المدونۃ والمختلطۃ۔ (فقہ مالکی کی مشہور کتاب المدونۃ الکبریٰ کے مشکل الفاظ و کلمات کی تشریح و تفصیل)۔

۱۷ - جامع التراویح (اندلس اور بلاد مغرب کے ملوک وعلمائے کرام کے حالات)

۱۸ - کتاب الغلیہ فی شیوخہ (اپنے اساتذہ کا تذکرہ)

۱۹ - کتاب الخطب - قاضی صاحب کے خطبات کا مجموعہ)

۲۰ - کتاب غنیۃ الکاتب وبغیۃ الطالب فی الصدور الترسّل یا غنیۃ الکاتب وبغیۃ الطالب فی صدور الرسائل یا علّۃ الکاتب وبغیۃ الطالب -

۲۱ - کتاب المعجم فی شیوخ ابن سکرہ -

۲۲ - اکمال المعلم فی شرح صحیح مسلم (صحیح مسلم کی شرح اور علامہ مازری (م ۵۳۶ھ) کی مشہور شرح مسلم - کتاب المسلم بفوائد کتاب مسلم کا تکملہ ہے)

۲۳ - مشارق الانوار - اس کا پورا نام مشارق الانوار علی صحیح الآثار ہے - یہ موطا امام مالک صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی شرح ہے - اس میں ان کی حدیثوں کے مشکل اور غریب الفاظ کی تحقیق وتشریح اور معانی ومطالب کی توضیح کی گئی ہے -

۲۴ - کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ[۱] یہ قاضی صاحب کی مشہور ومعروف کتاب ہے - بیش قیمت اور معلومات کا خزانہ ہے - اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان اور آپ کے جلیل القدر اور منصب ومقام کو قرآن مجید اور حدیثِ نبویؐ اور ائمہ کے اقوال کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے - اس کتاب کی غیر معمولی افادیت واہمیت کے پیش نظر علمائے کرام نے اس کی شرحیں، تعلیقات اور مختصرات لکھے ہیں - حاجی خلیفہ بن مصطفیٰ (م ۱۰۶۷ھ) کے کشف الظنون میں اس کی ۲۴ شرحوں کا ذکر کیا ہے[۲]

---

[۱] وفیات الاعیان المعروف تاریخ ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۱۷ - تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۰۰، الدیباج المذہب ص ۱۷۱، کشف الظنون جلد ۱ ص ۲۷۶، جلد ۱ ص ۴۷۳، جلد ۲ ص ۵۵، ۱۲۱، ۴۷۵ جلد ۳ ص ۲۰۰ - بستان المحدثین ص ۱۳۰، ۱۳۱ - اتحاف النبلاء ص ۱۵۶ -

[۲] کشف الظنون جلد ۲ ص ۶۳، ۶۴ -

رسائل و مسائل

تفہیم القرآن کے بارے میں ایک اشکال

سوال: کافی عرصہ سے دل میں ایک اُلجھن ہے جس کا ذکر ایک دو صاحب علم سائنسدانوں سے بھی کیا، مگر اُن کے جواب سے تشفی نہ ہو سکی۔ اپنا مدعا بیان کرنے سے پہلے عرض کرتا چلوں کہ میں یہاں پر کویت میں جماعت کے نظم سے منسلک ہوں۔ عرض یہ ہے کہ تفہیم القرآن کے مطالعے سے ایک بات جو کہ مجھے کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ سورۂ مُطَفِّفِین کی تفسیر میں مولانا نے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ "اصل میں لفظ مُطَفِّفِین استعمال کیا گیا ہے۔ حالانکہ اوپر آیت میں بھی یہی استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح سورۂ الانشقاق میں اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ۔ تفسیر میں مولانا فرماتے ہیں "اصل میں اَذِنَتْ لِرَبِّهَا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں"۔ اسی طرح پورے آخری پارے میں بہت سی مثالیں ہیں۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ شاید مولانا محترم نے یہ تکیۂ کلام کے طور پہ استعمال کیا ہے، مگر اس سے اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اوپر آیت میں بھی کچھ وارد ہوا ہے تو پھر مولانا محترم کو "اصل میں" استعمال کرنے کی کیا ضرورت پڑی۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ میری غرض سمجھ گئے ہوں گے۔ اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ آپ مجھے تفصیلاً مطلع فرمائیں گے۔

جواب: بات یہ ہے کہ ابتدا میں "تفہیم القرآن" (یعنی ترجمہ و تشریح) ماہنامہ ترجمان القرآن میں قسط وار شائع ہوتی تھی، اور اس میں قرآنی متن درج نہیں کیا جاتا تھا۔ اس لیے مولانا قاری کو سمجھانے کے لیے قرآن کے اصل الفاظ حسبِ ضرورت نقل کرتے تھے اور

ظاہر ہے کہ اس صورت میں الفاظ "اصل میں" کا اضافہ ضروری تھا۔ "اصل میں" کا معنی تھا "متن میں"۔

بعد میں جب تفہیم القرآن کتابی شکل میں شائع ہونی شروع ہوئی تو شائقین کے اضطراب کی بدولت اس پر نظرِ ثانی میں اتنی باریک بینی نہ کی گئی، جس کے لیے الگ وقت درکار تھا، جو مولانا کی دوسری مصروفیات کی وجہ سے نہ مل سکا۔ نیز اُن کی خرابیٔ صحت بھی حائل ہوئی اور اس طرح کتابی صورت میں بھی یہ عبارت جوں کی توں شائع ہو گئی۔

ویسے، آپ اگر غور کریں تو اس میں کوئی ہرج بھی نہیں واقع ہوتا۔ اگر قرآن کے الفاظ اُوپر لکھے ہوئے موجود ہوں اور نیچے بھی ان کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے "اصل میں" کے لفظ لکھ دیئے تو اس میں وجہ شکایت کیا ہو سکتی ہے؟

(ا۔ ص)

(بقیہ جہادِ افغانستان صفحہ ۴۲)

مری جفا طلبی کو دُعائیں دیتا ہے، وہ دشتِ سادہ، وہ تیرا جہانِ بے بنیاد!
خطر پسند طبیعت کو سازگار نہیں، وہ گلستاں کہ جہاں گھات میں نہ ہو صیاد!

رُوس کا گرم پانیوں تک پہنچنے کا منصوبہ نیا نہیں خاصا قدیم ہے۔ رُوس کے زاروں میں سے پطرس اعظم (پیٹر دی گریٹ) نے سولھویں صدی میں عظیم تر رُوس کا تصور پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ رُوس اس وقت تک عظیم تر نہیں بن سکتا جب تک اس کی رسائی گرم پانیوں تک نہ ہو جائے۔ یہ گرم پانی یقیناً افغانستان میں نہیں، پاکستان اور خلیجی ریاستوں کے ساحل پر ہیں۔ اس طرح روس کا اصل ہدف افغانستان نہیں بلکہ پاکستان تھا۔ افغان مجاہدین نے پوری ملّتِ اسلامیہ کی جنگ لڑی ہے۔ وہ پوری ملّتِ اسلامیہ کے شکریے کے مستحق ہیں۔ خدا تعالیٰ انہیں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔ انہوں نے یہ حقیقت بھی عیاں کر دی ہے کہ مستقبل اسلام کا ہے۔ باقی سب نظریے آزمائے جا چکے ہیں اور ناکام ہو گئے ہیں۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔

مطبوعات

کراچی سے گنبدِ خضرا تک سفرنامہ حج، از ڈاکٹر ایچ بی خاں، ایم اے پی ایچ ڈی۔
ناشر: الحمد اکادمی ۵/۱۴ سی ایریا، لیاقت آباد، کراچی نمبر ۱۹

پچھلے چند سال میں نہایت کثرت سے ایسے لوگ سرزمینِ حجاز میں بسلسلہ حج و عمرہ پہنچے جو ایمانی، فکری، جذباتی اور تخیلی عناصر کو ملا کر سفرنامے مرتب کر سکتے تھے۔ پھر خصوصاً ماضیٔ قریب میں سرکاری انتظام سے اپنے ادیب اور شاعر حج کے لیے گئے کہ ایک طرف حمد و نعت کے مضامینِ نو کے انبار لگ گئے اور دوسری طرف سفرنامہ نگاری بہت ہوئی جو عام تفریحی سفرنامہ نگاری سے بہت مختلف طرز رکھتی ہے، اور تیسری طرف حجازیات و حرمین اور شعائر و مناسکِ حج اور زیارات و تاریخ کے مختلف مضمون اُردو ادب میں یکدم بکثرت داخل ہو گئے۔ پچھلے سفرنامہ ہائے حجاز کا بہت اچھا اور جامع جائزہ نقوش کے تازہ خاص نمبر میں شائع ہوا ہے۔ عجیب صورتِ حالات ہے کہ جغرافی طور پہ سفر کا تقریباً ایک ہی جگہ ہے، منزلِ حقیقی اور مراحلِ شوق بھی ایک ہی ہیں۔ مگر ہر لکھنے والے کے اپنے جذبات و تخیلات ایک ہی قسم کے واقعات کو نئے سے نئے رنگ دیتے چلے جاتے ہیں۔ وہی بات کہ "حُسْنُكَ وَاحِدٌ وَعِبَارَاتُنَا شَتّٰى" ایک ہی وادیٔ شوق کی گردش کی کہانی ہر شخص نئے طرز سے بیان کرتا ہے۔ میرا یہ تاثر خاص طور سے ڈاکٹر ایچ بی خاں کی کتاب پڑھ کر ابھرا۔

وہ خود کہتے ہیں کہ "یہ محض ایک سفرنامہ نہیں، بلکہ یہ مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ اور حکومت سعودی عرب پر ایک تاریخی دستاویز ہے۔" گویا ڈاکٹر صاحب نے اپنی راہ بظاہر بہت الگ کر لی ہے۔ مگر طرح طرح کی مختلف پہلوداریوں کے ساتھ اوروں نے بھی لکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے سفرِ شوق کی کہانی میں عقیدت مندانہ والہیت کی وجد آفرینیاں بھی حادرجہ شکرگذاری ہوئی ہیں،

اور ادبیت کی فوق العام پھلجھڑیاں بھی نہیں ملتیں جن کا محتاج سفر نامۂ حج نہیں ہے۔ بس ان کا کرشمہ یہ ہے کہ جغرافی سفر کرتے کرتے وہ تاریخ کا دریچہ کھول کر قاری کو ہمراہ لیے لمبے سفر پہ نکل جاتے ہیں، پھر واپس آ کر کچھ چلتے ہیں اور پھر تاریخ و سیرت کے دائروں میں پہنچ جاتے ہیں۔ جہاں یہ نہیں، وہاں اُن کے پاس ایک اور "ساتواں در" ہے جسے جب چاہیں کھول لیتے ہیں۔ یہ ہے مسائل و مناسکِ حج اور آدابِ حرمین کی علمی دُنیا کی طرف کھُلنے والا دروازہ۔ تاریخِ حرم بیان کرتے ہوئے توہینِ حرم کے وہ سب واقعات بیان کر دیئے ہیں جو اسلام سے پہلے (اصحابِ فیل کے ہاتھوں) اور اسلام کے بعد پیش آئے۔ ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۹ء کے حجاج کی تعداد پیش کی ہے۔ دو نقشے دیئے ہیں۔ تمام یادگاری مساجد اور دوسرے بابرکت مقامات کی تفصیل بیان کی ہے۔ کچھ مشکلات اور اذیتوں کو بھی بیان کیا ہے۔ مملکتِ سعودیہ پر تفصیلی باب ہے جس میں خاص اہمیت شاہ فیصل کی خدمات کو حاصل ہے۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک اچھا اضافہ ہے۔

اُصولِ فقہ پر ایک نظر | از محمد عاصم الحداد مرحوم۔ ملنے کا پتہ: اسلامک پبلشنگ ہاؤس۔ ۲۔ شیش محل روڈ، لاہور۔ صفحات: ۱۷۶ قیمت بلا جلد -/۲۴ روپے۔

مؤلف کے قلم سے "سنتِ رسولؐ کیا ہے اور کیا نہیں ہے" کے بعد یہ کتاب "سلسلۂ احیاء السنۃ النبوۃ" کی دوسری کتاب ہے۔ پہلی کتاب پر انہی صفحات میں چند سطور لکھی جا چکی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں اصولِ فقہ، اُن کی تعریف اور تاریخِ تدوین اور متعلقہ اہم کتب کا بیان ہے اور ساتھ ہی معرکۃ آرا مسائل پر تفصیلی بحث کو سمیٹا گیا ہے۔ احکام اور اُن کی قسمیں، مآخذِ شریعت (قرآن، سنت، اجماع، قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ، استصحاب، سدِ ذرائع، عرف اور اجتہاد پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اصولِ فقہ کی مشکل اصطلاحات کو آسان پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ اصولیوں کے مقرر کردہ معیار فقہ پر حنفیہ، مالکیہ کے بعض فقہی

اصول و احکام پر سخت تنقید کی گئی ہے جو بعض صحیح احادیث سے تجاوز کر جاتے ہیں۔
اپنے موضوع پر یہ ایک مختصر اور جامع کتاب ہے اور بصیرت افروز۔

ذکرِ جمیل | از جناب ماہر القادری مرحوم۔ مرتب: جناب طالب الہاشمی۔ ناشر: طالب الہاشمی، سیکرٹری بزم فاران۔ ۱۱۸۔ ڈی، اعوان ٹاؤن، ملتان روڈ، لاہور، سفید کاغذ پر ۱۹۲ صفحات، مجلد مع گرد پوش، قیمت: ۶۰/- روپے۔ (غیر ذی استعداد شائقین کے لیے خاص گنجائش) ملنے کے تین پتوں میں سے ایک: البدر پبلیکیشنز، ۲۴۔ راحت مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔

اللہ تعالیٰ یقیناً طالب ہاشمی کو دوہری جزائے خیر دے گا کہ ایک طرف وہ خود تاریخ و سیر کے دینی میدان میں اعلیٰ درجے کے مصنف ہیں اور بڑا کام کر چکے ہیں اور مزید کرنا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف ساتھ ہی سانحۂ خصوصی محبت کے زیرِ اثر مولانا ماہر القادری کی نظم و نثر کی کتابوں کی تجدید کر کے یا مضامینِ متفرقہ کو ترتیب دے کر پیرایۂ اشاعت میں لا رہے ہیں۔ ان کے سامنے اس میدان میں بھی بڑا منصوبہ ہے۔

ماہر صاحب کی شاعری پر تو خصوصی محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ کتابیں بھی چھپیں اور مقالات بھی لکھے جائیں اور محفلیں بھی آراستہ کی جائیں تاکہ یہ حقیقت واضح ہو کہ اقبال کی فکر کو شعریت میں نئے انداز سے سمو کر لانے والے دو تین بڑے شاعروں میں سے ایک ماہر صاحب تھے۔ اِس کام کے نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ کج نظر اہلِ زمانہ کسی ایسے شاعر کو اقبال کی گود میں جا بٹھاتے ہیں، جس کا نقطۂ نظر اقبال سے از اوّل تا آخر متصادم ہے۔ ایسے متخالف الفکر لوگوں کی یہ تصویر پیش کرنا کہ وہ اقبال کے پیغام اور فن کو آگے بڑھانے والے "اقبال ثانی" ہیں، بڑی فریب دہی اور ظلم ہے۔

اس کے تدارک کی راہ یہی ہے کہ حفیظ اور ماہر القادری اور احسان کے شعری کارناموں کو اُبھار کر سامنے لایا جائے۔ اور ان شعرا کو زندگی میں پیچھے دھکیلنے کی، اور اب شعر کی تاریخی

اسکرین سے ان کی تصاویر کو غائب کرنے کی جو کوششیں ہمارے سامنے ہیں، ان کا مقابلہ کیا جائے۔

پس لادینیت پسند اور سیکولرذہنیت زدہ شاعری کے بڑھتے ہوئے طوفان کی موجوں سے پہلی ٹکر لینے کے لیے طالب الہاشمی نے "ذکرِ جمیل" کا تازہ ایڈیشن پیش کر کے تاریخِ شاعری کے قافلے کو رہزنوں کے سحر سے بچا لیا ہے۔

جناب حفیظ الرحمٰن احسن کی تقدیم بھی قابلِ تحسین ہے۔

اظہارِ حقیقت از جناب رئیس الدین طہور جعفری۔ ناشر: نیرنگِ خیال پبلیکیشنز، لیاقت روڈ راولپنڈی۔ سفید کاغذ پر ۱۹۲ صفحات، مجلد مع گردپوش، قیمت: ۵۰/- روپے۔

اِسی مصنف کی کہانیوں کا ایک مجموعہ پہلے بھی ان اوراق میں متعارف کرایا جا چکا ہے۔ اب دوسرا مجموعہ اظہارِ حقیقت سامنے ہے۔ جعفری صاحب کی رفتار خاصی تیز ہے۔

داستان کے دَور میں کہانی اس لیے پُراسرار ہوتی تھی کہ اس میں جن پریوں کا بیان بھی ہوتا تھا، جادو کے کرشمے بھی سامنے آتے اور کچھ انسانی زندگی کی حقیقتیں بھی مصنوعی کرداروں کے بہروپ اور ماجراتی تسلسلِ واقعات کی آڑ لے کر اپنا اظہار کر لیتیں۔ ہمارے دَور میں وہ اس لیے پُراسرار بلکہ ناقابلِ فہم بن گئی ہیں کہ وہ اشاریت و علامتیت کی راہ سے ابہام تک جا پہنچی ہے، بلکہ کبھی کبھی تو یوں لگتا ہے کہ ادب میں قلندروں کی شطحیات گُھس آئی ہیں۔ جدید کہانی کے حیرت کدے سے تو خاص خاص ادبی دماغ لطف اندوز ہوتے ہیں ــ اوسط درجے کا ایک تعلیم یافتہ نوجوان مصروفیات کی زنجیروں میں گرفتار، معاش کی تنگی سے دوچار، اپنے خوابوں کی کچلی ہوئی دنیا کے سامنے چند منٹ میں کوئی ایسی قابلِ فہم واقعاتی کہانی پڑھنا چاہتا ہے، جس کے کردار اُس کے اپنے اردگرد پائے جاتے ہوں۔ سنجیدہ اور کاوش طلب مطالعہ و تحریر سے تھک کر کچھ لمحے خود مجھ پر بھی ایسے آتے ہیں کہ میں اس طرح کا سادہ فکشن پڑھنا چاہتا ہوں، چاہے وہ سفرنامے میں ملے یا شکار اور جاسوسی کی کسی کہانی کی شکل میں۔

ظہور جعفری صاحب نے بڑی باغیانہ جرأت کی ہے کہ جدید افسانہ نگاری کی اونچی اونچی مسندوں کے شوق سے خالی الذہن ہوکر ایسی مختصر اور قابلِ فہم واقعاتی کہانیاں لکھنا شروع کی ہیں کہ جن کے کردار ماحول میں پائے جاتے ہوں۔

تفصیل سے ہر کہانی پر کچھ کہنا مشکل ہے۔ مختصر یہ کہ اظہارِ حقیقت ہیں واقعاتی حقیقت کا اظہار ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی | مؤلف: قاضی سراج الدین احمد (مرحوم) بار ایٹ لا۔ تعلیقات و حواشی از جناب طالب الہاشمی۔ ناشر: حسنات اکیڈیمی پرائیویٹ لمیٹڈ۔ ۱۹ ۔سی منصورہ، ملتان روڈ لاہور۔ صفحات: ۲۹۲۔ آرٹ کارڈ کا مضبوط رنگین ٹائیٹل۔ قیمت: ۴۰/- روپے۔

ہماری تاریخ جن شخصیتوں کے کارناموں سے جگمگا رہی ہے، ان میں سلطان صلاح الدین ایوبی کو خاص مقام حاصل ہے۔ سلطان صلاح الدین ۵۳۲ھ میں قلعہ تکریت میں پیدا ہوا۔ دمشق میں شحنہ (کوتوال) مقرر ہوا۔ مصر میں وزیر بنایا گیا۔ ۵۶۷ھ میں مصری خلیفہ عاضد کے انتقال کے بعد مرحوم کی وصیت کے مطابق صلاح الدین نے حکومتِ مصر کا چارج لیا مگر بحیثیت نور الدین زنگی کے گورنر کی اختیار کی۔ پھر کئی منازل و مراحل سے گزر کر وہ صلیبی معرکہ ہائے جہاد میں دادِ شجاعت دیتا اور مظاہرۂ ایمان و اخلاق کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس کتاب میں آپ ذرا مختلف معرکوں کی تفصیلات پڑھیں۔ دونوں طرف سے لشکروں اور سامانوں کا مقابلہ کریں اور پھر دیکھیں کہ کیسے زور سے مسلمانوں نے عیسائیوں کو شکستیں دیں اور کس جذبے سے یروشلم پر قبضہ حاصل کیا۔ پھر دونوں طرف کے فاتحین کا مفتوحین سے سلوک دیکھیں۔ تب اندازہ ہوگا کہ اسلام اپنے پیروں کو اعلیٰ انسانی احساسات و اقدار کے لحاظ سے کتنا اونچا لے جانا چاہتا ہے۔

قاری کو یہ بھی سوچنا ہے کہ آج مسلمانوں کے خلاف صلیبیوں نے ایک نئے طرز کی صلیبی جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ جدید تہذیب الحاد نے علوم و افکار، زبان، تصاویر، پروپیگنڈے، سفارتی سازباز، ثقافتی نفوذ، معاشرتی نظام کی ابتری اور قرضوں اور اسلحہ کی غلامی میں مبتلا کرکے ایسی فضا پیدا کردی ہے کہ عیسائی مشنوں، ان کے خدمتی اداروں اور ان کے سیاسی سازش کاروں نے انڈونیشیا، مصر، سوڈان، الجزائر، نائجیریا وغیرہ میں مسلم اکثریتی حکومتوں اور معاشروں کو بے بس کر دیا ہے۔

اور کسی کی مجال نہیں کہ اسلام کا پرچم بلند کر سکے۔ اب یہی کام تیز رفتاری سے پاکستان میں ہو رہا ہے۔ ہے کوئی اس دور کا صلاح الدین ایوبی جو ہم مسلمانوں کو نئے صلیبی معرکے کا شکار ہونے سے بچائے؟۔ افسوس ہے کہ کتابت کتاب کے شایانِ شان نہیں

متاعِ کارواں | مدیر اعلیٰ قاضی قادر بخش قریشی ایم۔ اے۔ پیشکش: گورنمنٹ نارمل اسکول خان پور۔

یہ اسکول کا میگزین ہے۔ مگر نہ صرف طباعتی خوبیوں کا آئینہ دار ہے بلکہ بہت سے معروف دانش وروں اور نوجوان اساتذہ وطلبہ کی کاوشوں کا ایک دلآویز مجموعہ ہے۔ اس میں غالب حصہ تعلیم سے متعلق مضامین کا ہے۔ مگر ادبی نگارشات مثلاً افسانہ، طنز ومزاح اور شاعری کے لحاظ سے بھی مالا مال ہے۔ خصوصاً میں نوجوان قلم کاروں کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ پھر اس مجموعے کی خوبی یہ ہے کہ اس میں نہ صرف متعدد مضامین دینی مباحث پر مشتمل ہیں بلکہ مجموعی طور پر اسلامی روح غالب ہے اور فحش جنسیات کے گند اور دیگر لغویات سے خالی ہے۔ متاعِ کارواں کو ہم کرنے والے تمام دانش ور اساتذہ وطلبہ اور خصوصاً چوہدری محمد حسین سنجرا (نگران) مستحق تبریک ہیں۔

MUSLIM LEAGUE | چیف ایڈیٹر ڈاکٹر ہاشم مہدی۔ باہتمام رابطہ عالمِ اسلامی مکۃ المکرمہ۔ تمام ممالک (مع سعودی عرب) کے لیے ۶۰ ریال سالانہ۔

یہ مصور اور دلکش انگریزی ماہنامہ اعلیٰ درجہ کے کاغذ اور خوشنما ٹائیٹل کے ساتھ اسلامی موضوعات پر، سعودی عرب کے اداروں کے خاص امور کے متعلق، عالم اسلام کے مسائل کے بارے میں ضروری معلومات نیز پورے عالمی افق کے احوال کے تجزیات پیش کرتا ہے۔

الحسنات | مدیر مسئول: صابر قرنی صاحب۔ دفتر: ۱۹ اسی، منصورہ، ملتان روڈ۔ لاہور۔ قیمت فی شمارہ ۵/۵۰، سالانہ ۵۵ روپے۔

صابر صاحب اسلامی ذہن کے ساتھ بڑوں، بچوں اور خواتین کے لیے مشہور لکھنے والے ہیں۔

انھوں نے اسی کام میں عمر گزاری اور الحسنات کے پودے کو مدتوں سے سینچ رہے ہیں۔ درسِ قرآن (مسلسل) ان کی خاص تحریر ہے۔ لفظ بہ لفظ ترجمہ اور بامحاورہ ترجمہ و تشریحات۔ وہ قرآنی علوم و معارف بھی لکھ رہے ہیں۔ حافظ ادریس صاحب، سید اسعد گیلانی اور عبدالحبیب حسن کے علاوہ اور لکھنے والے بھی شریک ہیں۔ تبصرے جناب طالب الہاشمی کے قلم سے ہیں۔ بچوں کے لیئے ایک حصہ خاص ہے۔

اہل حدیث | مدیر: جناب مولینا عزیز زبیدی۔ دفتر: مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان۔ ۱۰۶، راوی روڈ لاہور۔ قیمت فی شمارہ ۲ روپے: سالانہ ۷۵ روپے۔

اس دینی ماہنامے کا مزاج علمی ہے۔ پیش نظر شمارے میں اداریے کے علاوہ تحریک اہل حدیث دعوت و عزیمت اور عورت کی حکمرانی پر توجہ طلب مفید مضامین ہیں۔ بقیہ صفحات میں خود جمعیت کے احوال و مسائل درج ہیں۔ برادرم مولینا عزیز زبیدی صاحب اپنے متوازن مزاج کی بنا پر انشاءاللہ اس رسالے کو تحزب سے بچائیں گے۔

(بقیہ صفحہ ۳)

استفادہ کرتے۔

خود میرے ساتھ بڑا دلچسپ معاملہ تھا۔ کبھی دو چار ماہ بعد ایک پوسٹ کارڈ موصول ہوتا، جس میں سطر ڈیڑھ سطر میں لکھا ہوتا کہ تمہاری فلاں تحریر یا تقریر میں فلاں لفظ یوں نہیں، یوں ہے۔ بس مزید کوئی زجر و توبیخ نہیں۔ کوئی کبرِ علم کا مظاہرہ نہیں۔ بڑے بھرپور محبت و اخلاص کا مظاہرہ ان میں دیکھا۔ ایک خوبی یہ تھی کہ گفتگو میں ہلکا سا اندازِ مزاح شامل رہتا۔ نتیجہ یہ کہ علم والی خطرناک خشونت ان میں کبھی پیدا نہ ہوئی۔ خدا شفاعتِ رسولؐ نصیب کرے اور مغفرت بلا حساب۔ آمین!

مئی ۱۹۸۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۴۰